

## سر آغاز

بنتا تھا تو تخلص مگر پھبھتا ہوا تھا ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دور کے رشتہ دار تک بھی نہیں جانتے تھے۔ اور بتا کے نام سے بڑے شہر کے تمام گلی کو چوں میں جب تک امرد باغز لیں اور واسوخت جوان ہوا تو گیت اور تھسیریاں اور مرے پیچھے بھی متوں بعد تک مریئے اور نوچے گاتے پڑے پھرتے تھے۔ ہمارے یہاں کی شاعری میں عشق بازی اور بے تمدنی کے سوا بے کیا۔ شریف خاندانوں کے نوجوان بڑے کاٹھاسی مکتب سے خرابی کے لمحن سکھتے اور اسی اکھاڑے میں برے کر تو توں کی مشق بہم پہنچاتے ہیں۔ جس شاعری سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کے تین درجے ہیں۔ سننا، سیکھنا، کہنا، ان میں سے پہلے دور جے تو ہمارے طرز تعلیم میں داخل ہیں۔ جس کا شمار پڑھ لکھوں میں ممکن نہیں کہ حرف شناختی کے بعد اس کا پہلا سبق یہ نہ ہو۔

اے داش بر دل از غم خال تو الہ را  
شرمندہ ساخت آ ہوئے دشمت غزالہ را

جن باتوں کی بھنک کان میں پڑنا نو جوانوں کے حق میں سم تاکل ہے۔ سبنا سبنا از بر کرائی جاتی ہیں۔ اور جن خیالات کا ایک بار دل میں گزر جانا دنیا و دین دونوں کی تباہی کام و جب ہو سکتا ہے۔ برسوں کی مشق تمرین سے خاطر شنیں کیے جاتے ہیں تا کہ طبعی ہو جائیں۔ ممکن الزوال اور فطری بن جائیں۔ جن کا نکلنما محل بے چارہ بتا اس عموم سے مستثنی اس غایی سے خارج نہ تھا بلکہ اس پر تو ایک دوسری خفتی بالا مسلط تھی کہ کم بجنت صورت شکل کا اچھا، رنگ گورا، اعضا کا تناسب یعنی شعر کا موضوع کروائیں ہوا تھا۔ یہ تو عقل میں نہیں آتا کہ تخلص تک نوبت پہنچ ہو۔ اور شعر نہ کہا ہو۔ مگر مخس سدرس قصیدے اور منشوی اور واسوخت اور غزل، مرثیہ، بجو اور رباعی کا کیا مذکور ہم تک تو بتا کا کوئی مصرع بھی نہیں پہنچا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اگر اس نے شہر گوئی کی ہوگی تو اول عمر میں کیونکہ تیس برس کی عمر سے تو ہم اس کو خانہ داری کی ایسی مسیبتوں میں پہنچا ہوا پاتے ہیں کہ ایسی حالت فرانش خاطر اور اجتماع حواس جو شرط شاعری بے میسر ہو نہیں سکتا۔ بتا کے اول عمر کا کام غالب بے کہ حسن ادا اور شوخی اور زنا کرت سے خالی نہ ہوا اور اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتا ہو گا۔ میر انشاء اللہ خاں کی طرح واد واد اور سجان اللہ اور کمر پڑھنے کی فرمائشوں کا بڑا نسل ہوتا ہو گا۔ بتا کا زمانہ کچھ ایسا منتدم نہیں ہے۔ کچھ نہیں تو سو دو سو اس کے دیکھنے والے اب بھی شہر میں زندہ اور موجود ہوں گے۔ پس اگر ہم جستجو کرتے تو اس کا کام

تحوڑا بہت کسی نہ کسی جگہ سے ضرور ملتا مگر ہم نے اس تھے کے آگے اس کے کام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

## بنتا اکی ولادت اور طفو لیت

تمول کے اعتبار سے بنتا ایک خوشحال باپ کا بیٹا تھا اور چونکہ اکٹھی نو بیبیوں پر جن میں سے پانچ زندہ تھیں، باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمباوؤں کے بعد پیدا ہوا۔ اس سے بڑھ کر اللہ آمین کس کی ہوگی۔ بیٹے کا امران تو شروع ہی سے تھا۔ ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھائے والے موادی، ملا، نجومی رمال حتیٰ کہ دائی جی کے خوش کرنے کو کہہ دیا کرتے تھے، کہاب کے ضرور بیٹا ہو گا۔ مگر ایک عمر اسی میں گزر گئی۔ تو ق کی نامیدی کے واسطے، امید لگائی ناکامیابی کے لیے بنتا اکی نوبت میں تو یا اس اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا منگان تک بھی نہ تھا۔ وہم کے پانی، تعلیمی گذارے ٹو نے ٹو نکلے اور دو اور مل بر سوں سے متوقف تھے۔ بنتا پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا بے۔ اس نے اتنی عتمی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا ہوتا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ورنہ زچ جس کو سکون اور قرار درکار تھا، مارے خوشی کے پھولی نہ ساتی اور اٹھ لینے کے دینے پڑ جاتے، سارے بتدریج سب کو خبر ہوئی۔ سنتے کے ساتھ جو کھڑا تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا مسجد میں گر پڑا۔ کسی کے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بے ساختہ زچ گیریاں گانے، کسی نے دوڑ کر پٹاچڑ زچ اور بچہ کی بانیں لے لیں۔ غرض گھر کیا اسی وقت سارے محلے میں شور و نیل مجھ گیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تمل دھرنے کو جلد نہ تھی۔ ہر چند بیٹے کا امران اس بالا کا تھا کہ کیسا ہی بد صورت بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے چڑھاتے۔ مگر اس خاندان میں بیشہ سے صورتوں سے پرچوں رہا کرتی تھی۔ گھر میں جو آتا بچے کو دیکھنا چاہتا۔ یہ اوگ پر چھاویں اور نظر کے ڈر سے اس کے دکھانے میں مضائقہ کرتے تھے۔ جب بیبیوں کا بہت تھاضا ہوا اور گرمی پڑنے لگی تو زچ کے پاس گھر کی کوئی عورت نہیں تھی۔ اس نے کبھا دا کے لیے بیبیو ذرا ہوا کارخ چھوڑو کردم گھما جاتا ہے۔ مرد بچے کی صورت کیا دیکھنا بے۔ خدا امدادے پر وان چڑھائے، الہی ماں باپ کا کایا جو ٹھنڈا رب۔ ایک بنی بی باوجود یہ خوبی بھی بھوم کرنے والیوں میں تھیں بول انھیں، اوگو بھیز کیا لگائی بے۔ اللہ رکھ کے پانچ بہنوں کا بھائی بے۔ انیں میں کے فرق سے اپنی بہنوں سے ملتا ہو گا۔ اتنے میں دائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے اس کو گھیر لیا۔ کیونکہ بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامت تو ہوا۔ دائی باں پورے دن بھی کیسے خوب بھر پورا تھا پاؤں، بال، ناخن، سب خاصے تو انہا ماشا اللہ پڑے۔ اور ان کے جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے خدا کے نفضل سے کوکھ بہت صاف بے۔ بیبیاں کیوں بوا بھنوں میں ملتا ہوا تو بے۔ دائی بہنوں کی اس سے کیا نسبت اڑکیاں بھی اچھی صورت کی ہیں۔ مگر اس سے پہلے دو اڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اتر گئیں۔ اور دوسرا دوسرا دو برس کی بس دنوں آفتاب ماتھا تھیں۔ اور یہ خدا جیتا رکھے نور کا پتا

بے۔ بڑی بڑی غافلی آگئیں، اوپنی اور سقی ہوئی تاک، پتے ہونٹ، چھوٹا دبانے، چمکتے ہوئے سیاہ گھونٹروالے بال، کتابی چہرہ، صراحی دار بُنی گردن، سانچے میں ڈھلا ہو ابدن، میری اتنی عمر ہونے کو آئی۔ تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی۔ تب سے انی سماں کے ساتھ یہ کام کرنے لگی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے بچے میرے ہاتھ سے ہوئے کہ جن کا شمار نہیں، مگر ایسا قبول صورت بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کے باں بھی جن کے حسن کی آن بڑی دھاک بے نہیں دیکھا۔ بات یہ ہے کہ اللہ عز وجلے اور بھاگوان ہو۔ سب نے کہا آئین۔ بتا کے پیدا ہونے کی رواداد جو ہم نے اوپر بیان کی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بتا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز وقار بے کیا کچھ چونچلے نہ کیے ہوں گے۔ غرض وہ تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا۔ جس جس پہلو سے دیکھنے والا انوکھی چیز تھا بھی۔ جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گودوں ہی میں رہتا۔ نہا لپچ پر لٹانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اپنے ہی گھر میں ماں، تانی، خالہ، ممانی ایک کم آدھی درجن سگی بھئیں۔ اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھینے لیتا تھا۔ باپ کا یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا، مگر میں رہتے یا پیش نظر رکھتے۔ بتا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جب تک وہ متمن پرورش رہا اس قابل بے کہ مستقلًا ان حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہم کو تو اس کے دوسرا ہی معاملات سے بحث کرنی ہے۔ اس کی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ سب کے سب دین کے پابند نہ تھے۔ مگر بتا کا باپ بڑا نمازی اور پربیز گاراً دمی تھا۔ مولوی شاہ جنت اللہ صاحب کے وعظ سے اس کو ایسا عشق تھا کہ آندھی جائے۔ مینہ جائے، طبیعت درست ہونہ ہو جہاں سناؤ کہ مولوی صاحب کا وعظ بے، سب سے پہلے موجود۔ مگر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں۔ باہمہ جو احتیاطیں بتا کی پرورش میں برتنی جاتی تھیں۔ ان سے ایسا مستبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں بتا کی تندرستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے بھیں ہیں۔ نوں سے، بیل و نہار کے خاص خاص اوقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی پر چھائیں سے، لوگوں کی باتوں سے، ولی خیالات سے، تہائی سے، تاریکی سے، چاندنی سے۔ کوف خسوف سے، کتے سے بلی سے، چھپکلی سے، دیو سے، بھوت سے، جن سے، پری سے، غرض ہر چیز سے جو واقعی بے اور ہر چیز سے جو ادعائی بے۔ معرض خطر میں بے ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرک کا اڑام کیوں لگانے لگے۔ مگر بے محرومی اتنی بات کہنی پڑتی بے کہ بتا کے ساتھ جو رتا وہ کیے جاتے تھے۔ وابھہ شرک اور مطہری کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے وہی ایک وقت مت蟠ہ تک جس کا حال اتنی کو معلوم بے۔ ہماری زندگی اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جس طرح بد دون اس کے فضل و کرم کے ہم دنیا میں رو بھی نہیں سکتے تھے۔ سوت جا گئے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی حالت میں ہوں۔ ہم اس کی پناہ

میں ہیں اور اس کا سایہ رحمت ہمارے سر پر بے۔ وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب بے۔ اور ہر مصیبت میں ہمارا معین و مددگار۔  
 ہر تکلیف میں ہمارا غم گسار، بدون اس کی مرضی کے نغذا میں تقویت بے۔ نہ دو میں تاثیر۔ بغیر اس کے حکم کے نزہر زہر  
 بے نہ اکسیر اکسیر۔ غرض یہ بات ان لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور ہو گی جو بتا کوپال رب تھے۔ مگر ان کے برداون  
 میں تو کل واتا بت کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیر یہ سن کرجیرت ہوتی تھی کہ بتا کا پانہ اور پروش  
 پانا کیسا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیوں کر گیا۔ کوئی دکھ، کوئی روگ نہ تھا کہ جس کو یہ لوگ اسے اسباب  
 غلط اور ادعاً نظر آیے وغیرہ کی طرف منسوب نہ کرتے ہوں اور چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی اسی وجہ سے جو تدبیر یہ کی  
 جاتی تھیں غلط در غلط مگر بتا خلقنا تو ان پیدا ہوا تھا۔ ہمیشہ اس کی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی۔ ہر کیف بتا کسی نہ کسی  
 طرح خدا کے فضل سے پل پا کر بڑا ہوا۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کی خیریت کے ساتھ گزر رہا۔ بتا کی تعلیم و تربیت سے  
 مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سر و کار نہ تھا۔ ہر چند و دمکتب میں نہیں بیٹھا۔ کسی استاد سے اس نے سبق نہیں لیا تا ہم ہمارے  
 نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع میں) ایک اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت بہت کچھ ہو چکی تھی۔ دنیا میں سارے  
 لوگ پڑھنے کے نہیں ہوتے اور پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار بے اصل چیز بے عادت کی درستی، مزانت کی شائستگی،  
 طبیعت کی اصلاح، سوجہ وقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت سے وہ اخذ گئے کر چتا ہے۔ ان لوگوں کی خوبی جو اس کو  
 پالتے۔ اس کو اٹھاتے بھاتے۔ اس کو سلاط۔ اس کو کھلاتے پاٹتے ہیں۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مفسدہ  
 گوشت کی طرح پڑے ہیں۔ نادان اور الیعقول نہیں۔ وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے  
 ساتھ کام لے رہتے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹوٹتے آوازوں کو سنتے اور جو دیکھتے سنتے اس کو حافظتے میں رکھتے جاتے ہیں۔  
 اس کی ایک آسان شناخت ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان سیکھنی چاہیں تو کس قدر کوشش کرنی ہوتی ہے۔  
 بعض بعض اوقات سارے سارے دن رثنا پڑتا ہے اور ہم کو اپنی مادری زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اس زبان کی  
 صرف وحو سے افت سے بھی بڑی مددگاری رہتی ہے۔ تب ہم کو کہیں برسوں میں جا کر وہ زبان آتی ہے۔ تا ہم ناقص و ناتمام  
 بچے ہیں کو ہماری سہولتوں میں کوئی سہولت بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمت اٹھاتے ہوں گے کہ ذہین ہوئے تو برس کے اندر  
 ہی اندر ورنہ ڈھانیں تین برس کی عمر میں تو مٹھے لدھڑ کندڑ ہن تک طوٹ کی طرح چراغ نئے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بات سے کہ کسی  
 نے ہیاما اور اما۔ دس بیس بار سکھانے کے طور پر ان کے سامنے کہہ دیا۔ کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ ہم نے ان کو بولنا سکھایا،  
 زبان کی تعلیم کی نہیں یہ سب بچوں کی ذاتی کوشش ہے۔ پھر یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بچوں کی ساری بہت صرف زبان

کے سکھنے میں مصروف رہتی ہے، ایک زبان کیا بھلا بردا، ادب قادر، نشست و برخاست، رغبت اور نفرت، سود و زیاد، دوست دشمن، خویش و بیگانہ۔ محبت اور عداوت حیا اور غیرت، غصہ اور لامتحن۔ حسد اور رشک و غیر و غیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع کر دیجئے جاتے ہیں۔ پس بتایا جس کی عمر آٹھ برس ہو چکی تھی، پڑھ چکا تھا۔ جو کچھ اس کو پڑھنا تھا۔ وہ پڑھ چکا تھا۔ جو کچھ اس کو سیکھنا تھا۔ ماں سے، باپ سے، نانی سے، خالہ سے، بہنوں سے، گھر کے توکروں سے، آئے گئے سے، عمر کے اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت کی ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا۔ درزی نے قطع کیا۔ سیا اور کھڑا کرنے کے بعد اس نے پہنانا کر دیجیا۔ صرف بخوبی کر دینا باتی ہے۔ اب اگر کپڑا بدرنگ یا گاہو انٹلے یا کہیں سے تنگ ہو جائے تو درزی اس میں کیا کمال کرے گا۔ کپڑا لیتے وقت یا قطع کرتے وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں تو جھک مارو اور وہی پہنون گا۔ ہوا کہ پہنانا اور کھڑا کا کچھ رنگ کا جس میں پہلے ہی دن دھبے نہ مودار ہوں۔ یہاں تک کہ پہلے سے بدن میں بدھیاں پڑھیں اور سانس اندر کا اندر اور بابا ہر کا بابرہ جائے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ بتایا پر زمان خانے کی تعلیم کا کیا اثر مرتب ہوا تھا۔ جوں و دبڑا ہوتا گیا۔ ضدی، چپ چپ، غصیلا، مچلا، ہیلیا، زور دنخ، مغور، خود پسند، طمائ، حریص، تھک، چشم، بودا، ڈر پوک، شوخ، ہشری، بے ادب، گستاخ، کامل، آرام طلب، جابر، سخت گیر، گھر گھنسنا، زمانہ مزان بنتا گیا۔ اس کو دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر تو تھی نہیں، کبھی وہ بے رت کے بھلوں اور بے موسم کے میووں کے لیے گھنٹوں لوٹا اور پٹخیاں کھاتا پہروں ایڑیاں رگڑتا اور آخر کو ایڑیوں کے بد لے اپنے چاہنے والوں اور ناز برداروں سے ناک رگڑ والیتا تباہ مسئلک چپ کرتا۔ وہ جب جی چاہتا جو چیز چاہتا جتنی چاہتا کھاتا اور اپنی بے استدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا، اور الٹا ماں سے ٹڑتا۔ ایک مرتبہ وہ اس بات پر خوب رویا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل کیوں گرن رہا۔ ہر چند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اس کے خلاف مزان نہ ہو۔ مگر اس کے رونے اور گھڑنے کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیل مل ہی جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقت میں انسان کے اختیار میں خارج اور آدمی کی قدرت سے باہر تھا۔ کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائے گا۔ اور رُوٹھنے پیچھے کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کیوں کر منے گا۔ لا کھا اللہ آمین کیوں نہ ہو، کہاں تک برداشت کتنا تھی، آخر فرنہ رفتہ لوگ اس کے لاد بیمار میں کمی کرنے لگے۔ سب سے پہلے بڑی اور بیاہی ہوئی صاحب اولاد بہنوں نے بے رُخی ظاہر کی۔ آخر تھیں تو اس کی بہنیں جب اس کی شوخی و شرارت سے عاجز آئیں جھڑک دیتیں اور گھر کی بیٹھیں بلکہ ایک تو ایسی جلتی تھی کہ یہ اس کے پاس بھائیجے کو دق کرنے اور بولیاں توڑنے گیا اور اس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے کو چھیڑا ہو گا۔ میں ایسے چونچلے ایک نہیں سمجھتی۔ دیکھو خدا کی قسم میں مار بیٹھوں گی۔ ماں کا بھی بتایا کے با تھوں دم تاک میں تھا۔ مگر پچ کتابے حبک العشی بعمری و

بضم عه ۶۔ و دھیانی تو ہوتی تھی مگر ادھر جو ش آیا اور نور انہنہ دی پڑ گئی۔ تیوری پر بل پڑ چا تھا کہ کھلکھلا کر نہیں دی۔ بتا

کی برا نیوں کو رائی سمجھنا تو درکنار وہ اس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت اٹھنے کو تیار تھی۔ ایک مرتبہ بتا خدا جانے کس بات پر پیچھے سے ماں کی چوٹی لگھیتے جاتا تھا۔ سب سے بڑی بہن نے (جس کی پیلوٹی بینی بتا سے بھی دوسرے بڑی تھی) دیکھ کر سبحان اللہ کیا ماں کا وقار نہ۔ لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا ہموار اس درجے پر تیز جب ماں کا یہ بدڑا کر رکھا ہے۔ تو ہمارا تو سرموڈ کر بھی بس نہیں کرے گا۔ ہائے تو میرا بیٹا نہ ہوا جھک کوایا جھک باتی کہ یاد ہی تو کرتا۔ باو جو دیکھ بینی نے نصیحت کی بات کہنی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کراس کے پیچھے لپنی اور سر ہو گئی۔ ماں کی پردہ داری کی وجہ سے باپ کو بتا کی شوئیوں کی پوری پوری خبر نہیں ہونے پائی تھی پھر بھی جس قدر حال چاروں نیچا معلوم تھا اس سے انہوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ اس کا اٹھان اچھا نہیں۔ بتا کو چھٹا سال لگا تھا۔ باپ نے اس کو مکتب میں بھانا چاہا۔ عورتوں نے غذر کیا کہ آئے دن تو یہ بیمار رہتا ہے۔ مکتب کی قید، استاد کی تنیبی سے اس کا گاؤڑا اتنا سماجی رہا سہا اور بھی اداس ہو جائے گا۔ ابھی جینے تو دو اور بتا کی ماں نے تو کھلا کھلا کر کہہ دیا کہ جب تک اصل خیر سے ان گناہے اگر زجائے میں تو اس کو نہ لکھاؤں نہ پڑھاؤں غرض عورتوں کی ہٹ اور ہیکلیزی نے بتا کے پورے تین برس کھوئے مگر تھی بات یہ ہے کہ بتا کا باپ اپنی طرف سے برادر اس کی کوششوں میں لگا رہا۔ اس پر بھی جو بتا تین برس تک آوارہ ہوتا رہا تو یہ اس کے باپ کا مسابله اور ضعف۔ ماں کی نادانی اور حماقت اور خود بتا کی بد قسمی اور کم بختی۔ اتنا تھا کہ جب باپ کو بتا کی کوئی بے جا بات معلوم ہوتی تو اسے ڈراتے دھمکاتے تو نہیں مگر نرمی اور دل جوئی کے ساتھ اس کو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا یہ حرکت بہت نامنا سب بے اور نہ داں اس کے ساتھ ظاہری پیار اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ ان کی ڈاڑھی بھی کھوئے گلتا۔ بتا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا۔ مگر یوں کبوکزیا دہ میں جول نہ ہونے کی وجہ سے ایک طور کی جھجک اور رکاوٹ تھی۔ چاہو اس کو لحاظ سے تعبیر کرو۔ مگر کیا اتنا کرنے سے بتا کے باپ نے باپ نے کافر اس کا فرض ادا کیا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ اس نے عورتوں کو بتا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی۔ اس نے بیٹے کے حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی۔ اس نے جتنی خبر کھی اس کا بھی تدارک جیسا چاہیے تھا نہ کیا۔ اس نے مستورات ناقصات العقل کی رائے میں آ کر جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کے لیے نہ بھایا اور اس کے اکٹھے تین برس ضائع ہونے دیئے۔ اتنا غیمت ہوا کہ بتا کو اس کی ماں نے اپنے وہم کو پیچھے اکیا ادا دیکیا۔ گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا اور نہ محلے میں دھوپی نکھرے، بھیارے، قسانی، تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے۔ اگر کہیں بتا ان لوگوں کے لئے کوئی میں کھینچنے کو دنے پاتا تو ساری خوبیاں جا کر ایک ذاتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی۔ جب تک میٹھا برس ختم ہوا، بتا کے مزان کی تلتھی اضعافاً عشا بڑھ گئی تھی۔ ادھر ابھی سالگرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپ نے بسم

اللہ اور ماتب کی چھپیر چھاڑ شروع کی، بارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چند اس مراجحت نوں کی اور سالگرہ اور بسم اللہ دونوں تقریبیں ایک ساتھ ہو گئیں۔

## بنتا اکی تعلیم مکتبی اور اس کا اثر

انتاق تو ہوا کہ بنتا کے لیے دروازے پر کتاب بٹھانا پڑا۔ شروع شروع میں تو میاں جی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیننے کے لیے بنتا نے خوب فیل مچائے اور غصب بھرا مگر آخ رسودے کی چاٹ اور پیسوں کے لا جو اور ماں کے چکارنے پکارنے سے جانے اور بیننے تو گا۔ بیٹھے چیچے پڑھنا چند اس مشکل نہ تھا۔ ذہن اور حافظہ دونوں خدا داداں بالا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریس ریس کے ساتھ بنتا گھٹوں میں کھلتے کو دتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بینتے، کر لیتا، کہتے ہیں کہ دون میں تو اس نے الف بے کے حروف مفراد ایسیں اچھی طرح پہچان لیے تھے کہ کتابوں میں سے آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا۔ پڑھنا تھا کہ اس کے ساتھ واو وا شباش شروع ہوئی۔ اس کے دل کی امنگ بڑھتی چل اور ہروا کھلتا گیا۔ بنتا نہ مطالعہ دیکھنا سبق یاد کرتا۔ نہ آموختہ پڑھتا۔ مگر ایک ہی دنہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میر ہی رہتا تھا۔ بدشونی اور شونی اور شرات کی نسبت جو چاہو سو کبو۔ پڑھنے کاٹھنے کے متعلق تو میاں جی کو اس کی شکایت کرنے کا موقع نہ ملا۔ پر لے سرے کی بے تو جبی اور حد درجے کی بدشونی پر چھبرس میں اس کی فارتی کی استعداد ایسی ہو گئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجود یہاں اچھے جید فارتی دان تھے اور درست کتابیں بھی ان کو خوب متحضر تھیں، اس کو سبق دیتے ہوئے بھنا تھے۔ بنتا کو مکتب کی تعلیم نے اتنا فائدہ تو پہنچایا کہ اس کو ایک دوسرے ملک کی زبان جس کے بدون اردو کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اچھی خاصی آگئی مگر اس کی تعلیم سے اس کو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا جس کو اندر باہر کسی نے جانا پہچانا نہیں۔ یہ کہنا مشکل بے کہ بنتا کو اپنا حسین ہونا کب سے معلوم ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں شکل و صورت کی بڑی پرچول رہتی تھی۔ اس خاندان کی عورتوں کے نزدیک تو دنیا بھر کے بشر، سلیقے، حسب نسب، دولت، تدرستی، نیک مزاجی، صاحب اولاد ہونا، دینداری، ساری نعمتیں اور برکتیں ایک طرف اور گوارنگ اور نقشہ ایک طرف۔ صورت شکل تو انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ خدا جس کو جیسا چاہتا بے بناتا بے ایک ہی ماں کے پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں اور کیا خدا کی قدرت بے کہ دس کی دس شکلیں مختلف، ورنہ ایک دوسرے سے ملتے سیں ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے، انسان کے چہرے کی بساط کیا، اتنی ہی جگہ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں مختلف نقشے یہ سب اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔ آدمی اتنا تصحیح تو اپنے چہرے مہرے پر نہ ناز کرے نہ دوسرے پر بنے مگر بنتا اکے خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ، یہاں تو چھوٹے بڑے، بڑھے، جوان، بیانب کنوارے سب کی صورت شکل کا پٹنا تھا۔ آپس ہی میں اتنی

صورت شکل کے پیچھے ایک کی ایک سے نہیں بنتی تھی۔ ایک ایک کو چہ آتی۔ ایک ایک کی نقلیں کرتی اور اشاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت کی ماری کسی نئی دہن کو دیکھتا ہے تو بس مہینوں ان کو صورتوں کا جمگڑا لگا رہتا۔ بہاں تک کر ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضائقہ کرنے لگے تھے۔ بتلا کا ایسے خاندان میں پیدا ہونا اور پروش پانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ جب اس کوبات کے بیٹھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اس نے سمجھی یہی ہو گی کہ حسن صورت اس کو کہتے ہیں اور اس میں مصدق لہبوں مگر جب تک بتلا زنان خانے کی نگرانی میں رہا اس کی عمر ہی کیا تھی۔ سات آٹھ برس اس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز سب کو بھائی ہے۔ اور پونکہ وہ اپنے ذائقے میں بھی اس کی لذت پاتا تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ حقیقت میں بھانے کی چیز بے۔ اُگ کے چھوٹے ہوئے اُگ ڈرتے ہیں اور اس نے بھی شاید دو چار بار اس سے چہا کھایا ہو۔ اس کو معلوم تھا کہ اُگ سے جل جاتے ہیں۔ غرض جس چیز کی نسبت اُگوں کو کہتے سن کہ اچھی یا بری ہے۔ آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس چیز سے آرام پہنچے دل کو خوشی ہو، اچھی ہے۔ اور جس سے ایذا پہنچے تکلیف ہو بری۔ حسن کی خوبی کی نسبت اس کو ایسا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کیونکہ اس کو حسن سے متنالہ ہونے کی اس وقت تک ابیت ہی نہ تھی۔ مکتب میں بیٹھنے کے بھی ایک مدت بعد اس میں جوانی کے والوں کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوت اور استبداد پکڑتی گئی۔ اس پر پسندیدگی حسن کی وجہ سے ملکشف ہوتی گئی۔ اس کا تذکرہ گھر میں تھا۔ اور اتنی کامیک مکتب میں اور اب لگاندر سے دل بھی اس کی گواہی دینے، بتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر معمولی ترقی کی، اس کا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو بتلا کی شکل صورت کا آدمی بے مزا میرا رائے سے پڑھتے تو اچھے خاصے اتفاق مجرے کامرا ملے۔ مضمون دیکھو تو جھڑا عاشقی جس کے نام سے نو عمر آدمی کے منہ میں رال بھرا آئے۔ مادہ قابل طبیعت میں نہیں۔ بتلا کا تو حال یہ تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزر رہا۔ دیکھنے کے ساتھ ہی کا لغتش فی الجھر ہو گیا۔ غرض فیضمان مکتب سے حضرت میں ایک صفت اور پیدا ہوئی یعنی عاشق مراجی۔

## بِتَالا کامدر سے میں تعلیم پانَا اور برے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہوں

بِتَالا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے مگر عورتوں کو بِتَالا کی اتنی مغارقت بھی گوارنہ ہوئی۔ تا چار پورے چھ برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اس کو گھر ہی پر تعلیم دوانی اب میاں جی کا بھی سرمایہ معلومات ختم ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درست متدادول کتابیں سب بِتَالا کی نظر سے نکل گئیں۔ اور بات صاف تو یہ ہے کہ بِتَالا کے سر میں اب اور ہوا بھری ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے جلے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میرنہ تھیں۔ باپ نے کچھ اور سوچا بِتَالا نے کچھ اور غرض سب کی صلاح سے بِتَالا مدرسے میں داخل ہوا۔ تو بِتَالا نے چھ برس کا مكتب میں تعلیم پائی، مگر مكتب کیا تھا مرائے نام۔ اس کا جی بیلنے کے لیے چار پانچ ریزگی لڑکے اور بٹھائیے گئے تھے، یعنی بھماں بے چودہ برس کی عمر تک بِتَالا بھوزے میں پا۔ اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اس کو نہ لگنے پائی۔ اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا: لڑکوں کا جنگل کر سات سال آٹھا آٹھ برس کی عمر سے لے کر نیس پچیس برس تک اچھے خاصے جوان، ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی، عربی، فارسی، منگرت، ریاضی کی جماعتیں غلیجدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرہ الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بالا اتنا یار آزادانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھلیتے ہیں۔ بِتَالا کو یہ حال دیکھ کر بالا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو نفس سے آزاد کر کے باٹ میں چھوڑ دیا جائے۔ اب تک وہ بہن جانتا تھا کہ میاں جی ہوئے، مولوی ہوئے، بدھے ہی ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ اس نے اپنے میاں جی کو دیکھا تھا پیکیں تک سفید، بیباں مدرسے میں آ کر دیکھا مدرس اکثر جوان کے اب سے چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب علم تھے۔ امتحان دیا۔ پاس ہوئے زمرہ مدتریں میں داخل کر لیے گئے۔ اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض بعض طالب علموں سے بھی کم سن ہیں۔ جس جماعت میں بِتَالا داخل ہوا، پونکہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعت تھی۔ اس میں طالب علموں کی بڑی کثرت تھی۔ رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر چچاں پچینہ ہمیشہ حاضر رہتے تھے ایک میں سے ایک تباہی کے قریب بِتَالا سے بہت بڑی عمر کے تھے۔ اس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے ان کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسون میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے۔ عمر میں، قدو تامت میں، وقت وجاہت میں یعنی قسمت سے مدرس بھی ملے تو یا راستدار ہونڈا تھا، کیلما اور

طرح دارم درست کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے بتا کوہا تھوں باتھ لیا۔ بعض تو ٹکنگی باندھ باندھ کر ایسی بری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں۔ پہلے ہی سے اڑکوں میں بہت تیولیاں تھیں۔ اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی بتا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قد رڑ کے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک استاد سے پڑھتے۔ مگر ایک جماعت بندی اڑکوں نے آپس میں تھبہ رکھی تھی جس کو ہم نے ٹولی سے تغیر کیا۔ جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات متر رتھے کہ مثلاً جب ریاضی کا لحننا آیا۔ عربی اور فارسی اور منسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا۔ ماسٹر صاحب کی خدمت میں آ حاضر ہوا۔ اسی طرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے۔ مدرستے کے وقت سے ذرا پہلے اڑ کے سوریے مدرستے میں آ پہنچتے یا جب ایک بجے نماز کے لیے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی یاد رس برخاست ہونے کے بعد ان تین وقتیں میں جو ٹولی جس ٹولی کا تھا اس میں آلتا اور بعض چھٹیں بھی پڑے پھر تے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تما متر بے ہودہ مدرستے کے سارے انتظام اچھے تھے۔ چیزیں وہ پڑھاتے تھے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنے کو امتحان کا قاعدہ نہایت عمد تھا۔ فرد افراد ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعت کو پڑھانے کا نہایت مفید طریقہ تھا۔ اس سے اڑکوں میں ایک طرح کی مناقشت پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا۔ دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک، ایک کی مدد کر سکتا تھا۔ تیسرا اڑکوں کی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ اڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنے کے لیے ترتیب، نشست کا روبدل بھی بہت موثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ اڑکوں کو تمام وقت مشغول رکھنے کے لیے بخوبی کافی تھی۔ نوبت بnobت مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملوں اور کندنیں ہونے پاتی تھی۔ غرض سمجھی انتظام بھلے تھے، مگر افسوس اڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطاق تو جہ نہ تھی۔ ہر مدرس اس فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اس سے متعلق بے۔ اس چیز کے امتحان میں اڑ کے برے نہ رہیں۔ جب تک کوئی اڑ کا اس شرط کو پورا کیے جاتا بے۔ اگرچہ چوری چھپتا جائز طور پر دوسرے سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اس کے کردار سے بحث نہیں، چوری کرو، جھوٹ بلو، سر باز ار جوئی پیزار اڑاو، گالیاں کھاؤ، شرافت کو بیانگاو، بد معاشوں میں رہو اور بد معاش بنو۔ کیڑیاں کھیلو پنگ اڑاو۔ اکھاڑے میں جا کر ڈاٹر پیا لو۔ مگدر بلاو۔ گاؤ بجاو غرض جو تمہارا جی چاہتے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں امتحان اچھا دو تو سکا ارشپ بھی ب۔ انعام بھی، سرخ روئی بھی ب۔ آندرین اور تحسین بھی بے واد واد بھی بے۔ اور آخونکار نو کری بھی بے۔ مدرس خوش۔ پنپل صاحب راضی بتا کی افتاد تو روز پیدائش سے گزری ہوئی تھی۔ زنان خانے میں پروش پاتا تھا کہ اس کے دل میں بدی کا شیع بولیا گیا۔ کتاب میں تھا کہ شیع کا

درخت ہوا، اب مدرسے میں آ کر وہ درخت پھلا پھوا۔ گھر میں پھٹرا تھا۔ مکتب میں پھٹرے کا نیل ہوا اور مدرسے میں نیل کا سماں۔ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو اس سے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اس نے نہ کی ہو۔ جس طرح بتانا مدرسے کے بڑے بڑے کوں کی صحبت میں بانکا بنا۔ چھپا بنا۔ طرح دار بنا۔ مسخر دہنا۔ کوچ دار بنا۔ ننگ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح بتاتا تھا رکھ کر شاعر بنا، انجینئن تورفتہ رفتہ بھولی بسری ہو گئیں۔ شاعری کی یاد گاراس کا نہیں تھا صرہ گیا ہم کو تو اس کے نام سے اس قد رنگت ہو گئی بے کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سننے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ مگر خیر منہ پر بات آئی رک نہیں سکتی۔ آٹھ برس یہ کم بخت مدرسے میں رہا۔ آخر کچھ نہ کچھ پڑھتا ہو گا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اس نے ترقی کی۔ دس روپے مہینہ وظیفہ پاتا تھا۔ برس کے رس انعام بھی ملتے رہتے تھے۔ ایک سال سنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا تتمغہ ملا۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام رفع ہو سکتا ہے۔ ہم کو اس کی ذکاوت کا حال معلوم ہے وہ اس بالا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی اس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ رکھتی تھی۔ برس میں ایک بار تو امتحان ہوتا تھا۔ اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیزی مہینے آگے سے دو تیاری کر لیتا ہو گا۔ لیکن فرض کیا کہ دو اچھی طرح پڑھتا ہی بے توبہ وضع کو پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل۔ اس سے جاہل بے مدار تو ان پڑھ کہیں بھلا۔ مدرسے پھر سوا پھر رات گئے بلکہ کبھی آڑھی کبھی پچھلی رات کو تو اس کا گھر میں آنے کا معمول شروع سے تھا۔ اور پھر اچھی طرح سورج نکا کہ اس کے شیاطین الانس لے گئے گھر پر آ کر کنڈی کھٹکھٹا نے، دستک دینے اور پکارنے، سیٹی بجانے، اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تین تین چار چار دن تک برادر غائب، ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے۔ مگر اب اس کی محبت کا دوسرا رنگ تھا۔ بیٹے سے اس قدر رتی تھی جیسے قصائی سے گائے۔ اس کو آپ سے آپ یہ خوف سا گیا تھا کہ بیٹا بے ماشاء اللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا برآمان کر کہیں کو نکل جائے۔ یا اپنے تین بلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی۔ اس ڈر کے مارے بے چاری کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور بتانا نے اپنے تینیں اس کے نزدیک ایسا ہوا بنا کر کھا تھا کہ جب اس کی صورت دیکھتی ہے کا بنکا ہو کر رہ جاتی۔ پہلے سے بھی بتا کی شراتوں کی باپ سے پر دو داری کی جاتی تھی۔ اب انہیں شراتوں کی بد کرداریاں ہو گئی تھیں۔ اوھر شراتوں میں ترقی ہوئی، اوھر پر دو داری میں زیادا بتمام ہونے لگا۔ مگر باپ نے دھوپ میں داڑھی سفید نہیں کی تھی۔ بدھا اس کی چال ڈھال سے اس کی گفتگو سے اس کی کن انگھیوں سے تاثر لیتا تھا۔ مگر بی بی کا مغلوب تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس کو بیٹے کے ساتھ بالا کا شغف ہے اور یوں بھی ہر کام میں مسلسل کرنا اس کی بیشہ کی عادت تھی اور انہیں وجود سے اس نے بتا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ نہ کی۔ اب جوان بیٹے کے کیا ماننے لگتا۔ ایک کہتا تو دس سنتا۔ آخر اس کے سوائے اور کچھ نہ سو بھپڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہواں کو پابند کر دیا جائے۔

## بِتَّا اکا بیاہ اور اس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ بتا اکو مرے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا۔ خوشحال باپ کا بیٹا صورتِ شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیاد و اچھا پڑھا لکھا کراؤ۔ دس روپے کا مرے میں وظیفہ دار اس رواداد کے لڑکے کو بینیوں کی کیا کی تھی۔ قاعدے کے مطابق بتا اکی طرف سے بیٹی والوں کے بیان ابتدأ رفع جانا چاہیے تھا۔ مگر بتا اکی ظاہری حالت دیکھنے کراؤ۔ اس قدر ترجمے ہوئے تھے کہ کئی جگہ سے بیٹی والوں نے منہ پھوڑ کر رفعِ منگوں کیا۔ دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والوں کے مغرب چل جاتے ہیں۔ بتا اکی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات ان کے خاطر تسلی آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا بتا جیسا اللہ آمین کا بیٹا ستر دا مختارہ بر س کی عمر تک کنوارا بیٹھتا۔ اب تک تو اس کے ایک چھوڑکھی کے چار چار بیاہ ہو گئے ہوتے۔ اس گھر کی خوشحالی اتنی ہی تھی کہ قاع کی تختوں ہیں، اسمایاں مقامات کا کراہی ملا کر کل سوسا سور و پے کی آمدی تھی اور اس میں اتنا بڑا کنہ گروہ تو بتا اکا باپ ایسا مشتمل اور غائب شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقے سے گھر کا بھرم بن رکھا تھا۔ اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آیا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پنگ کی فرمائش ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی تھی۔ گویا کہ زناح کی شرعاً عظم بے اور بھر معاہلے کی بات ہے جیسا لیما و یاد یہا۔ ہیکلہ تو یہ تھی کہ لیں تو سنہر اپنگ اور دینے کے نام پڑاری کے خرق کے لیے آدھنی نہیں کیونکہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں۔ مہر شرع محمدی، سور و پے کا چڑھاوا، سور و پے کا جھومر، صورتِ شکل اپنی اپنی جگہ سمجھی تماش کرتے ہیں۔ اور سمجھنے اور غور کرنے والے کو تو یہ بات ہے کہ باوجود یہ کہ خوش خوبصورت کا خواہاں بے مگر بری بھلی، کالی گوری بیاہ تک کہ کافری، کھدری اللہ کی بندیاں سمجھی کچھی چل جاتی ہیں، ہم نے تو اتنی عمر ہونے آئی کسی کو صورت کی وجہ سے کنواری بیٹھنے دیکھا۔ تاہم چونکہ بتا اکی خوبصورت خاندان کا آدمی اور خود بھی بڑا خوبصورت تھا۔ اگر اس کے لیے خوبصورت بی بی تماش کی جاتی تھی تو کچھ بے جا بات نہ تھی۔ مگر تماش کرنے کے بھی طریقے ہوتے ہیں کہ عورتیں چوری چھپے ہیلے بہانے کسی نہ کسی لڑکی کو یا تو خود کسی وقت دیکھ کر آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موئی نہیں بنتا تو کسی کو بھیج کر دکھلوالیا کرتی ہیں۔ بیاہ تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھال کر کریں گے اور اپنے ہاتھوں سے لڑکی کے منہ میں مصری کی ڈالی دیں گے۔ کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے۔ کہاں کہاں رفع گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی۔ کہیں صورت پسند نہ آئی، کہیں دیکھنے بھالنے کی شرط نامنظور ہوئی۔

غرض کوئی بات تھبیری نہیں۔ پچاسوں پیام مسٹر داور بیسوں جگہ سے رقعہ والپس۔ رشتہ ناتے کی بات چیت ہو کر پھشم چھٹا ہو جانا یا رقعہ والپس آنا کچھ آسان نہیں ہے۔ بیٹھنے والے اس میں اپنی بتک سمجھتے ہیں اور ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ والپس جائے گا تو دوسروں کو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہوں گے اکثر ایسے موقعوں پر داؤں میں رنجش آ جاتی ہے۔ خیر ایک دو جگہ بے محرومی ایسا اتفاق ہو تو مضائقہ نہیں نہ کہ بتایا کارقعہ آن بھیجا اور بالا کر دوس دن بعد الٹا مغلوایا۔ جب متواتر واپسی رفع کی نوبت پہنچتی تو سارے شہر میں ایک غل ساپڑ گیا اور جہاں جہاں رقعہ والپس مغلوایا گیا۔ ان کے ساتھ بیٹھے بھائے ایک طرح کی عداوت قائم ہوئی۔ یہاں تک نوبت پہنچ کر جس مشاطہ سے کہتے کانوں پر باتحہ دھرتی۔ جہاں رقعہ سمجھتے وہ لوگ لانے والے کے اندر آنے تک کے روادار نہ ہوتے۔ پس اس خاندان کے نازبے جانے بتایا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ رفع کا بے روک دوپس آتا تو ممکن نہیں۔ ایک گھر کا تو ہم کو عالی معلوم بہ کہ وہاں پہلے مشاطہ کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی۔ وہ لوگ ان کے کنبے دار بلکہ کچھ دور کے رشتے دار بھی تھے۔ مہینوں سوال جواب ہوتے رہے۔ اکثر باتیں طے ہو کر بعض کی نسبت کچھ تکرار درپیش تھی۔ کہ یہاں یک ان کی طرف سے رقعہ جامو جود ہوا۔ بیٹھنے والے خوش ہوئے کہ گفت و شنید کے بعد جو رقعاً یا تو بس اس کے یہی معنی ہیں کہ منظور کر لیا۔ چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب میں زبانی اتنا ہی کہا۔ بھیجا کہ ہم کو برس و پھشم منظور ہے۔ خدا نجام اچھا کرے۔ انشاء اللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی اچھی سی تاریخ تھبیر کر کہا۔ بھیجیں گے۔ سہ مہین آ کر اڑ کی کامنہ میٹھا کر جائیں۔ پھر اللہ خیر کرے۔ جب ان کی مرضی ہوگی بیاد برات ہو رہت گا۔ ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت تیار ہیں۔ ہمارے یہاں ذرا دیر نہیں۔ جو عورت یہ پیام لے کر گئی تھی بتایاں والوں نے اسی باتحہ کہا۔ بھیجا کہ پہلے ہماری شرطوں کے مطابق تحریری اقرار نامہ بھیج دیں۔ تب تاریخ تھبیر ایسیں۔ تاریخ کا تھبیر ایسا کیا آسان ہے! یہ سن کر سب کو سخت تعجب ہوا اور اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ آخر بتایاں والوں کی طرف سے واپسی رفع کا تقاضا ہوا۔ دن میں دوبار رفع کے لیے آدمی جاتا اور ایسی ایسی سخت سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا بہ مہماں کا قرضہ ہے۔ خیر بار کر رقعہ والپس تو کیا مگر اس طرح کے مارے غصے کے نکال کر موہری پر بھینک دیا کہ کم خواب کی تھیل جس میں رقعہ ستور کے مطابق لپٹ کر آیا تھا۔ تمام کچڑیں لٹ پٹ بوگئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شدید لگا کر چاٹو اور دیکھو خبر دار اڑ کے کی ماں سے ضرور ضرور کہہ دینا کہ تم نے کنبے داری میں دو مہینے بات لگی رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا اور پھر آپ ہی ان ہونی باتوں پر اسرار کر کے والپس مغلوایا۔ یہ کچھ بھل مانیست کی بات نہیں ہے۔ ہم نے مانا کہ ان کا بیٹا ان کے لیے چوبے کو بلدی کی گرداللہ آمین کا بے۔ مگر دوسروں نے یہیں کوڑے پر پڑی نہیں پائیں۔ ایسی شرطوں سے جونہ سینیں نہ دیکھیں۔ ان کو شہر میں تو انشاء اللہ بیٹی ملنے کی نہیں۔ سونے کا پلٹنگ ان کو مانگتے ہوئے

شرم نہیں آتی۔ اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ رکھے آگے دو اور مو جوہد ہیں۔ بیٹیوں کو تو ڈھنگ کے نواری پنگ بھی نہ جزئے بیٹے میں ایسا کیا سر خاب کا پر لگا بے کہ بدوسو نے کے پنگ کے اس کونیند نہیں آتی۔ اے وہ نگوڑا یخچرا تھا۔ جس کو سارا شہر تھڑی تھڑی کر رہا تھا۔ خدا نے کرے جو بھلا مانس اس کو بیٹی دے۔ منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں تاک رہی یا کٹ گئی جس گھر سے رفتغ کی واپسی کا مذکور بے اس گھر کی عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں ان کا حصہ بخرا چلتا تھا۔ کہیں شادی بیاہ ہو۔ کوئی دوسرا تقریب ہو۔ ان کے یہاں ضرور باواہ آتا اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریب میں سمجھی کو بلاتے۔ سمجھی کو یکساں پوچھتے تھے۔ ان عورتوں نے ضد میں آ کر بتا کا اچھی طرح خاکہ اڑایا اور سارے شہر میں خوب ڈھونڈ رہا پیٹا اور سوا کیا۔ غرض اس گھر کے بگاڑ نے رہی۔ ہمیں اور بھی آس توڑی۔ اب شہر میں بتا کی نسبت تاتے کا ہونا محال تھا۔ بہت تقریب کے رشتہداروں میں جس قدر بیٹیاں تھیں۔ بتا تھے تو بڑے لاڑلے دو دھپی پی کر ان سب کو رضائی بھینیں بنا چکے تھے۔ بتا کے نزدیک و دور کے رشتہداروں میں وہی مثل تھی۔ ازیں سورندادوڑاں سور دار ماندے۔ اب صرف ایک گھر رہ گیا کہ ہوتا وہیں ہو ورنہ بتا ساری نہ کنوار اپھرے۔ بتا کی پھوپھی دلی سے دس بارہ کوں سید گر میں بیا ہی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ زمیندار تھے مگر زمینداروں میں سر برآ وردہ بڑے بڑے سالم چھگاؤں کے مالک ان کے بزرگ تو مہماں داری اور مسافر نوازی اور داد دہش میں دور دور مشبور تھے۔ مگر اب کثرت پٹی داری کے سبب نہ یہی آمدی تھی نہ ددل۔ قرب شہر کی وجہ سے رعایا شوخ، حصہ داروں میں طرح طرح کی تکراریں غرض ہمیشہ ان میں دو چار آدمی مقدموں کی پیروی کے لیے شہر میں موجود ہتے تھے۔ جس طرح دائم المرض اپنی دوا کرتے کرتے حکیم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے ایسے قانون دان ہو گئے تھے کہ یہ سردوں کو مات کرتے، کیلوں کی کچھ حقیقت نہ کجھتے، ڈھونڈ کر لڑاکیاں مول لیتے اور تاش کر کے جگڑے خریدتے۔ قرب و جوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکوں اور جگڑا اور مشبور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ماتا کرتے ڈرتے تھے۔ رفعہ کا پہنچانا تو بہت بڑی بات تھی۔ اگر ان کے یہاں جھوٹوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ چاہتے تو سچوں سر ہو جاتے اور کچھ ایسے قانونی اڑکے لگاتے کہ کسی کی ایک نہ چلتی مگر بتا کو کوئی دوسرا اگھر نہ تھا۔ خدا نے ایسا ان کے غرور کو ڈھایا کہ کس کا پنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا۔ بتا کی ماں گئیں اور منگنی خبر اکان دبا کر چلکی چل آئیں۔ اور اگر ذرا بھی چیز چپڑ کرتیں تو فوجداری کے استغاثوں اور دیوانی تاشوں کے مارے ہوش گھوڑ جاتے۔ اب بتا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھو بلکہ نجی ڈالنایا غلام بنادیتا یا عمر قید۔ سعدھیا نے تو برادر ہی کے اپنے ہوتے ہیں۔ خیر اٹھارہ نہیں تک کے فرق کا بھی مضائقہ نہیں تگر یہاں تو سید گرواؤں کی اس قدر ہبیت چھار ہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کو تو وال کی۔ اوہر سے حکم ہوتے تھے، اوہر سے قیل۔ اوہر سے فرمائش اوہر سے بجا آوری اوہر سے ناز اوہر سے نیاز۔ بعد چندی انہوں نے کہا۔ بھیجا کہ

اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز و سامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے سو ویسا ہی ہوا۔ نیس ہزار روپیہ کا مہر مانا ہو گا اور مان لیا ہزار روپیہ جوڑے تپڑاوے کا نقد دینا ہو گا اور دیا چکیں روپے مہینہ پتاری کا خرق لکھوائیا چاہا اور لکھوائیا۔ مگر بات یہ بے کہ سید نگروالوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہونے کا پلنگ تونہ تھا۔ شاید ان کے بابا کا دستور نہ ہو گا۔ مگر گلے اور کانوں اور سر کا سارے کاسار از یوردو ہر اما جزا اُلگ، شادی بیاد اپنے نام کے مطابق کیا دلی میں اتنا جیزیر مانا مشکل تھا۔ اُلگ باہر کی شو بھا اور مال اور سباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساری حصے پانچ ہزار کا جیزیر آنگتے تھے اور پر کا خرق اُلگ، سو گھر کا دھڑیوں گھنی اور منوں نالہ زمینداروں کے یہاں اس کا حساب کیا۔ انسیوں برس بتتا کا بیاد ہوا۔ جیزیر کے اعتبار سے تو دن بہت اچھی پائی۔ ذات جماعت کچھ پوچھنی نہ تھی سگی چھوپھی کی بیٹی۔ رہی صورت کوئی خاص چیز تو چندل ابری نہ تھی بلکہ اُلگ اُلگ دیکھ تو رنگ بھی گورا نہیں تو کھلتا ہوا چمپئی، آنکھ تاک، دبانہ ماتھا، انگ کسی میں کوئی خاص سیب نہ تھا۔ ہاں چبرے کی مجموعی بناؤٹ میں خدا جانے کی بات تھی۔ نزاکت اور جسم میں جامدہ زبان نہ تھی۔ ہزار بیسوں میں نیٹھی ہوتے صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی بے اور تج تو یہ بے کہ بتتا کے پبلو میں رہی تھی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی۔ جن دنوں بتتا کا بیاد ہوا وہ اپنے آپے میں نہ تھا۔ نشہ شباب میں سرشار اور بد مست سیر تماشوں میں منہمک۔ وہ اپنے بیاد برات کی خبر سن کر خوش ہوتا تھا۔ مگر صرف اس لیے کہ ناق دیکھنے میں آئیں گے۔ شادی کی تیاری دیکھ کر مسرت ظاہر کرتا تھا۔ مگر اس غرض سے کہ گاتا سنیں گے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اس کی سمجھ زیادتی اور جان سکتا تھا کہ بیاد کیا چیز بے اور بیاد سے کس طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں مگر وہ دنیا کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی بیاد کے ان جام کو نہ سوچا۔ اس نے نکاح کے وقت قبلت لے کر باؤ کیا کہ کھیل بے۔ اقرار امامہ پر دستخط کئے یعنی پاسی بے۔ اس کو بی بی کی طرف ملتفت ہوتا چاہئے تھا۔ اور ملتفت ہونے کی اس کی عمر بھی تھی مگر اس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں۔ ناز و کرشمہ، غمز و داما ملک پچاں، وہ شریف زادیوں میں کہاں اور خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں۔ پس اس نے بی بی کو دیکھا، تاپسندیدگی سے اشکراہ سے اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اس کی اشتم پشم گزرتی گئی اور آپس میں ویسی محبت و موانت پیدا نہ ہوئی جیسے نئے بیابت ہوئے دو لہذاں میں ہونی چاہئے اور عموماً نہیں تو اکثر ہوا بھی کرتی بے۔ غالباً اس کے بتتا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصت نہ تھی۔ سو دہنوں کی ایک دن تو وہ آپ بنا تھا۔ بناؤ سنگھار میں ہر دم مصروف، زیب وزینت میں ہر لمحہ مشغول۔ وہ دنہوں اپنے حسن صورت پر اس قدر فریافت تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کہیں اس کو تیری ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس کو یہاں تک خط نے گھیر کھا تھا کہ راستہ چلتا تو مژمر کراپنے سائے کو دیکھتا جاتا۔

## بنتا کی مصیبتوں کا آغاز اور اس کی بدکرداریاں

بیاد تک بنتا کی زندگی نہایت ہی بے فکری سے گزری۔ اس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش و آرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کم تر کسی کو نصیب ہوتی بے مدرسے میں اس کے یار دوستوں نے ماں باپ سے بڑھ کر اس کی ناز برداریاں کیں۔ مگر اب اس کے عیش کی رفت آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال دنیا کی تمام حالتوں کا کہ راحت بے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبہت بے تو وہ بھی ایک میعاد منصر رہ تک۔ نہ اس کو ثبات اور نہ اس کو قیام۔ وہ عارضی اور یہ چند روزہ جن کو خدا نے مُقلِ سلیم دی بے وہ ہر حالت کو اتنی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اس کے زائل ہونے پر ان کو مال نہ ہو تا سف نہ کرنا پڑے۔ اتنا نہیں کھاتے کہ نجہہ ہو۔ ایسے دوڑ کرنیں چلتے کہ نجوکر لگے۔ عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور امور اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مابالا تیاز سمرما یخزرو ناز یا ذرا یعیہ تعریف یا وسیله اغیریب جو کچھ تجوہ۔ بنتا کے پاس ایک حسن صورت تھا۔ اور پس یہی ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ہر اعزیز تھا۔ یہ عمل تھا۔ یہی تینیر تھی۔ یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی۔ میں تو اس کی ستر ہویں برس بھیگنے لگی تھیں۔ اٹھا رہویں میں تو اس کی اچھی خاصی ڈاڑھی نکل آئی۔ شعر

گیا	حسن	خواب	دل	خواہ	کا
ہمیشہ	رب	تم	اللہ		کا

اور ڈاڑھی بھی نکلی تو اس کثرت سے کہ ما تھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں تسلی دھرنے کو جگ۔ باقی نہ رہی۔ جب ڈاڑھی لٹکنے کو ہوئی اگر بنتا اس کو اس کے طور پر لٹکنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا اور سبزہ خط اس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ رو نہیں نہودار ہوتے ہی استرا پھر وادیا۔ استرے کا پھر وانا تھا کہ پھد پھدا کر ایک جگہ دس رو نہیں اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گز رہا، اب روکھی کھال رہ گئی اور اس پر ہزار بابل۔ یہ پہلی مصیبہت تھی جو بنتا پر نازل ہوئی اور اس نے اس پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہو جانے کا سخت رنج کیا اور جب اس کے ان دنوں کے خیالات پر نظر کی جاتی بے تو اس کا رنج حق بجانب بھی تھا۔ رفتہ رفتہ زوال حسن کا اثر اس کی حالت پر متاثب ہونے لگا جو لوگ اس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے نہر اور جو در پے تھے گریز کرنے لگے۔

یار اغیار ہو گئے اللہ  
کیا زمانے کا انقلاب آیا

گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت روگئی وہ بھی دور کی۔ اختلاف کے عوض راہ گزر کی مذہبیزروہ بھی اتفاقی۔ اس کی طرز زیست نے ادعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرق کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا وظیفہ اور اس اک چہار چند اور اس کو بمشکل و فاکرتا۔ اب ادھر تو اس کے اعوان و انصار دست کش ہوئے ادھر جو گھر سے مدد ملتی تھی۔ اس میں بی بی نے حصہ بٹوانا شروع کیا۔ ضرورتیں اگر جانز اور واجبی ہوتیں گھر سے مدد ملتی۔ گھر جاتیں نا جانز، اغراض بے ہودہ، گویم مشکل ڈگرنہ گویم مشکل جی لپھاتا اور ناچار ربط کرتا۔ طبیعت بھر بھرائی مجبوری پتے کو مارتا۔ انگریزی کی کہاوت بے کہ مصیبتوں ایک ایک کر کے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ بتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے پتے کرنے کو موتیں کچھ ایسی تابریت توڑ ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا عورت ایک کے بعد ایک سمجھی رخصت ہوئے۔ ہبھیں بیاہی جا کر اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں، بس اب تن تباہتا راہ روگیا اور ایک بی بی تو وہ بھی اس کی بے اتفاقی کی وجہ سے پہلے تو اکثر میکے میں رہتی تھی۔ چوتھے پانچویں مہینے داخل سرال آگئی تو آگئی۔ اب کوئی برس دن ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مرجانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنے کے لیے بانا چاہا۔ مطابقاً موقوف کر دیا تھا۔ اور بد مجبوری نہایت کس میرت کی حالت میں بتلا کے بیباں ڈھنی دیئے پڑتی تھی۔ بتلا پر مصیبتوں کا ایسا پھاڑنٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھوتا، مگر اس کے دل پر تمہر لگی ہوئی تھی اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کیسی عبرت اور کس کا ذرنا مطلق العنان ہوتے ہی لگا لکھی دوڑ نے پویہ بھاگنے۔ بیباں تک کہ جن حرکتوں کو پہلے چراتا چھپاتا، اب کھلے خزانے ان کے کرنے میں ذرا بھی نہ شرما تا، باپ کے مرتے ہی میدان خالی پا کر تعزیت کے حیلے اور غم گساری کے بہانے سے دوست آشناوں نے پھر اس کو آگھیرا۔ اور پھر وہی اپنی قدمیم پٹی اس کو پڑھا چلے چھام بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہو گئے۔

## بنتا کے چچا کا حج سے واپس آنا

بنتا کے حقیقی چچا میر مقتضی ایک مدت سے نواب رام پور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں انہوں نے اپنا نکاح بھی کر لیا تھا۔ بنتا ان دنوں مكتب میں پڑھتا تھا کہ میر مقتضی ولی ہو کر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے۔ ارادہ تو صرف ہر میں شریفین کی زیارت کا کر کے گئے تھے مگر وہاں پہنچ کر یہ خیال ہوا کہ سا بہاں وال کے ارادے میں تو اب بہ مشکل گھر سے نکلا ہوا کیا معلوم اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ لا و لگتے ہاتھوں جہاں تک ہو سکے زیارتیں تو کر لو۔ پورے تین برس تو زیارتیں میں لگے۔ پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آگیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے، یہاں بھوپال میں ٹھوڑے تھے۔ غرض ساتویں برس اونٹ تو بھی میں پہنچ کر انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بھوپال میں استاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رام پور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی رات گئی تھی سید ہے بھائی کے دروازے پر آکھڑے ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ چھاٹک بند اور طبلہ کی تھاپ کی آواز تی چلی آ رہی ہے۔ تمحیہ کہ ناقہ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھائی نقلیں کر رہے ہیں۔ میر مقتضی کو پہلے ذرا سادھو کا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی، گلی کے نکڑتک اونٹ کر گئے۔ ادھر دیکھا ادھر نگاہ کی، بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے مگر نہ اس قدر کہ جہاں آدمی پیدا ہوا، پورش پائی، بڑا ہوا رہا سہا اس گھر کو نہ پچانے۔ پھر خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو۔ اتنی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص گلی کی طرف لپکا ہوا چا آ رہا تھا۔ جب ان کے برادر آیا انہوں نے اس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کوئی گلی ہے۔ وہ یہ کہتا ہوا اپنی دھم میں چا گیا کہ اس کو سادات کا کوچ کہتے ہیں۔ اب ان کو اس کا تو یقین کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچانتے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی۔ اب اتنی بات اور رہ گئی کہ بھائی اس گھر ہیں یا نہیں۔ اس شخص کی جلدی نے ان کو اس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی، اتنے میں دیکھا کہ ایک بڑھے سے آدمی بغل میں پچھونا دبائے لکڑی میکتے ہوئے اندر گلی سے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں۔ ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سما آدمی بے اور وہ تیز چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برادر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر بے۔ یہاں وقت آپ پچھونا لئے ہوئے کہاں جا رہے ہو۔ لا یہ پچھونا مجھ کو دیکھنے میں پہنچا دوں، بڑے میاں نے کہا، نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اٹھاؤ۔ پچھونے میں ایسا کیا بوجھ بے۔ کیا کریں جب سے بے چارے میر مذنب مرے ان کا لڑکا خدا اس کو نیک ہدایت دے، یہی صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو رہا ہے کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھماچوڑی مچی رہتی ہے۔ ہم ٹھہرے دیوار تھی ان کے پڑوئی اتنا نہیں، بن پڑتا

کہ گھر میں دورِ کاعت نمازِ اطمینان سے پڑھی جائے۔ ناچار میں تو اس مسجد میں چا جاتا ہوں۔ متنی بھائی کے مرنے کی خبر سن کر قریب تھا کہ چکر کھا کرو ہیں زمین پر گر پڑے مگر آدمی تھا دین وار اس نے انا لله و انا الیہ راجعون! کہہ کر ضبط کیا اور اپنے نیس سنجالا اور سوچا کہ اگر گھر چل کر دستک دوں پکاروں تو نثارخانے میں طوطی کی آواز کوں سنے گا اور فرض کیا چیختے چاٹنے سے دروازہ دکھلا بھی تو رات گئی بے زیادہ سب کو تکلیف ہو گی۔ رونا پیٹنا پچے گا۔ ماتم بر پا ہو گا۔ بہتر بے کہ رات کو کہیں پڑا رہوں۔ پھر خیال کیا کہ پاس کے پاس اسی مسجد میں ٹھہر جانا مناسب بنے کہ بڑے میاں سے اور حالات بھی دریافت ہوں گے۔ مسجد میں گیا اور وضو کر کے نماز پڑھی، دعا کے لئے باتھا ٹھاٹے۔ بھائی سے اس کو محبت تھی بہت۔ یوں بھی بیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعاۓ خیر کیا کرتا تھا۔ اب حضرت موتیٰ کی دعا آئی اور اس کے منہ سے اکا!" رب اغفرلی و لا خی و اخلنا فی رحمتك وانت ارحم الراحمین " ۳ جی بہرا یا اور بے اختیاراتنا کہ بچکی بندھ گئی۔ جس کے دل کو یک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہواں کو جھوک کیا گئے اور نیند کیونکر آئے۔ ساری رات گزر گئی کہ صحن مسجد میں نگہ سر بیٹھا ہوا۔ کبھی کچھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا بے اور کبھی اس کی مغفرت کے لیے خدا کی درگاہ میں زار تالی کرتا تھا۔ سفید صبح نمودار ہوتے ہی اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا۔ جب فاقد اشراق تھے فارٹ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچپونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کو ضعفی کے سبب ذرا دھندا بھی نظر آتا تھا۔ متنی نے ان کو پہچان کر اسلام علیکم کی اور قریب جا کر اپنے نیس پچھوایا اور رات کا ماجدہ کہہ سنایا۔ ملتو میر مہذب کی صحبوتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متنی تو رات سے رو رہا تھا۔ سفر کی تکان، ساری رات کا فاتحہ، جا گنا اور رونا آئیں سون گئی تھیں، منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ بارے بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا۔ دنیا کے دن توارکے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے۔ یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے۔ اور انشاء اللہ وہاں بھی ان کے لیے اچھا ہی اچھا بات۔ وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سمجھی کو مرنا بے۔ بڑا رونا ان کے فرزند ناخلف کا بے کہ اپنے کردار نا سزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا بے۔ اب تم باپ کی جگہ ہو۔ خدا کو کچھ بھاکرنا منظور بے کہ تم کو بھیجا۔ بھی وقت بے۔ اگرچہ نگہ بے۔ مونت بے گوا خیر بے۔ اور تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کرو گے۔ میرے ساتھ چلو تمہارے بتیجے صاحب تو کہیں دو پھر تک انہیں گے وہ بھی اٹھائے سے، تب تک میرے گھر کچھ ناشتہ کرو ہم بھی کچھ غیر نہیں ہیں۔ تمہارے بھائی صاحب خدا ان کو جنت نصیب کرے ہم کو عزیز ہوں سے بڑھ کر بھجتے تھے، کیا تم کو یاد نہ ہو گا۔ غرض میر متنی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چل تو سارے رستے بھائی کا تصور پیش نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آ رہے ہیں پیچھے سے پکار رہے ہیں۔ اس دروازے پر

کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ اس دوکان والے سے کچھ کہہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اتفاقات متنقی کو بھائی کی زندگی میں صد بار پیش آچکے تھے۔ ان ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہو گئی متنقی رات سے بہتیرا رو بھی پکا تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب روتا آئے گا بھی تو روکوں گا، خبط کروں گا، گھر کی طرف پاؤں امتحنا۔ ول کی کیفیت متنقی ہوتی چل جاتی تھی۔ یہاں تک دروازے پر پتھر کرتے نہ ہو۔ کا اور بے اختیار پکار کر رویا۔ رو نے کی آواز سن کر پاس پڑوں کے اوگ جمع ہو گئے۔ پھاٹک تو باہر کی طرف سے نہ کھلوایا سکے، اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پہنچی۔ بتلا اور اس کے جلسے کے شرکاء بھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کہروں کی وہ پہنچ پہنچ دیں ہسن کرسونے تھے۔ میر متنقی کا آنساں کر

سب کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ اور سب کے ہوش اڑ گئے۔ جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھاٹوں اور رنڈیوں کو نجھا رہتے تھے۔ اب لگے آپ ناچنے پڑے پھر نے، چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا۔ پھاٹک پر تو خود میر متنقی صاحب اور ان کے ساتھ محلے کے پالیس پچاں آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ زنان خانے میں ہو کر جانا چاہتے تو پہلے مہرے پر گھروائی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو اور مڑی یا بیگل بل جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بد ذاتوں کے حق میں خاص اکارس وقت شیرنی سے کم نہ تھی۔ اس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرا لوگوں کے گھروں میں سے ہو کر تھا۔ وہ بھلے مانس ان بلاوں کا اپنے یہاں سے ہو کر گزرا کیوں جائز رکھتے۔ غرض وہ سب کا سپٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک سامنے ہاتھ جوڑنا۔ ایک ایک کے پاؤں پڑتا ایک تماشا تھا۔ قابل سیر ایک کیفیت تھی لائق دید کہ رنڈیاں جو اپنے حسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات نہ کرتی تھیں۔ اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لیے کہیں ہم کو پناہ دو۔ ایک ایک کے پیچھے پہنچنے کے لئے ہمیں نکال کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام و اکرام سے بازاں میجھے راستہ بتاؤ۔ دوسری چاہتی تھی۔ مجھے مجرے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے گھر پہنچاؤ۔ رات کے جلے میں ایک طائفہ چلبیا بھاٹ کا بھی تھا۔ ان کم بخنوں کوئی وقت خوب سوچتی بے۔ ادھر تو یہ تمام بل چل پھی ہوئی تھی اور ادھر چلبیا بے طالب بے فرمائش تیار ہوا پہنچنے۔ تھیوں کو جمع کر کے لگانے کا نقل کرنے۔ (نتل)

ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑ دوڑا، لوگوں کو ہٹاتا ہوا دبا تا ہوا پھر نے لگا کہ کیا بے کیا بے۔ کاب کاغل بے کیوں شور مچا رکھا بے۔

دوسرा بولا: ابے احمد تو نہیں سنا کہ حضرت کے چچا کمک مظفر سے تشریف لائے ہیں۔

پہلا: کون چچا، ابوجبل یا ابوہبہ۔

دوسرا: (پہلے کے منہ پر زور سے ایک ٹمناچہ مار کر) چپ مردو دکیا کفر کتابے۔ ابے حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں۔

ہمارے (بتا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیر و مرشد کے پچا۔

پہلا: ہاں الحمد للہ پھر ڈرنا کیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر بھی ان کو پیچا بنائیں۔ حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنے کی مبارکباد دیں۔ ناق دکھائیں گا تا سنائیں ”دوسرا (پبلے کے منہ پر طمانچہ مار کر) اب تو بہ کرتے ہے کہیں اور پر سے چھٹ نہ گر پڑے سید آل رسول مولیٰ حاجی جوابی خدا کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آرب ہیں۔ کہیں ناق دیکھتے ہیں۔ ناق دیکھنا حرام یا گاہ استنتہ ہیں (گاہ سنانہ منوع) ان کے نزدیک رہنیاں جہنم کی چھپیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کندے)

پہلا: باعے میرے اللہ رذیل یوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا۔ زرے کندے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (بتا) اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا جائیں گے؟“

دوسرا: ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی میں جائے جائیں گے۔

پہلا: (دونوں باتوں کو مکلوں پر ہو لے ہو تھپڑ مار کر اور خونزدہ آنکھیں بنائیں) الہی تو بہ الہی تو بہ دوزخ کی آنج سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے۔ آسیب بنائے۔ جو چاہے سو کرے۔ مگر دوزخ کے کندے نہ بنائے۔ بھالا بھریہ حاجی صاحب چاہتے کیا ہیں؟

دوسرا: ”چاہتے یہ ہیں کہ نماز میں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرہو اور پیر رذیل یوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو، غریبوں میتاجوں کو دو۔“

پہلا: ”بھتی بات تو واجب ہے۔ رذیل یوں کو دینا تو محض فضول ہے۔ رب بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب میتانا اور کون ہو گا؟“  
یہ کہہ کر عمامہ باندھ پانچ ٹخنوں سے اوپنچ کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑا نہ گل گویا امام بننا اور نماز شروع ہوئی مسخر دین تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا اور پھر ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بس بتاں چاہا مک کھول دوا اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ ہو ہوں ان کو آنے دوا اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہے کہ میرے چیچپے مقتدی بن کر کھڑے ہو جاؤ اور بڑا بڑا نہ لگا۔ طائف کے جتنے بھانڈ تھے سب صاف بستہ ہو کر مقتدی بننے اور اس کے چیچپے کھڑے ہوئے۔ ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صاف میں سے نکل کر امام کی پیٹھ پر ایک دو ہتھ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے منہ گر پڑا۔

کہا ”ابے بعثت یہ کیسی بے وقت اور بے رخی جماعت کی نماز پڑھ رہا ہے۔ اگر مولوی اسمائیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے نتوؤں کے ان تو اکر دیں۔“

امام: ”ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف لے بے اور پھر اس طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔ گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ تھوڑی تی دیر کے بعد چیچھے کی صفت سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے امام کا عمامہ اتار تڑا تڑا آٹھوں دس نہیں لیتھے رے رسید کئے۔ امام سہلا تا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کافتوی آیا تو یہ لیتھے مارنے والا کیا کہتا ہے۔ ابے ڈرومٹ فتویٰ نہیں تیری عبادت کا صلہ ہے۔

امام بولا عبادت کا صلہ بتو اس میں مقتدیوں کا بھی حق ہے۔ پھر تو اس سرے سے اس سرے تک بالا اتیاز جو تی کاری ہونے لگی اور بڑیوں اور بھڑوں لے اور میر محفل اور تماشائی سمجھی پر آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائے کا نیچہ کا نیچہ رو پر روز معمول تھا اور بتا اس طائے کا ایسا گروہ و تھا کہ اگر خرق مساعدت کرتا تو ہرات ان کا ناق دیکھتا مگر اس پر بھی کئی سورہ پے ان لوگوں کے چڑھ گئے تھے۔ اب بتا کے چچا کا آنا سن کر بھانڈوں کو بالکل نا امیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی نقل تو نہایت بر جست تھی، مگر طبیعت کس کی حاضر تھی۔ اور دل کس کا ملکانے تھا کہ مزدیسا اور دادیتا۔ بتا کی تو ایسی شیجھوں کی آواز دی۔ یہ بوڑھا آدمی اسم بامسمی بتا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا۔ جب وفادار نے بار بار کہنا شروع کیا بتا نے اس کو جھڑک دیا۔ وفادار نے دل شکستہ ہو کر بتا سے کنارہ شی اختیار کی۔ مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوئی خیزی تھی۔ رات دن اسی کوئی خیزی میں پڑا رہتا۔ اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اس کی تعمیل کر دیتا۔ بتا کے کسی کام کا نہ کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا۔ آدمی تھا زمانہ دید سمجھ پکا تھا کہ یہ ایل و نبار اس طرح پتو سدا چلنے والانہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم و راہ یہ بے تو بند و درگاہ نہیں۔ وفادار اکیا اکوئی خیزی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی تھا۔ اس کو میر متفقی کا آنا اور ارباب جسد کا گھبراہ معلوم ہو پکا تھا۔ خلاف عادت بتا کے بانے کی آواز سن کر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا۔ بتا نے ایک بار پکارا دوبار پکارا تین بار پکارا۔ جواب ندارد۔ اگر کبھی پسلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ بتا اپکارے اور پہن آواز پر جواب نہ دے مگر میر متفقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کارنگ بدل گیا۔ جو ناچیز تھے واب عزیز تھے جو با اقدار تھے واب ذیل و خوار تھے۔ یہاں تک کہ بتا نے خود کوئی خیزی کے دروازے پر آکر پکارا۔ میاں وفادار۔ میاں وفادار جلدی انہوں پیچا آئے۔ وفادار نے گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں جج سے تشریف لائے۔

بتا: ”بان،“ وفادار نے میر صاحب مرحوم کو یاد کر کے ایک آدکی اور آنکھوں میں آنسو بھرا لایا۔ اور میر متفقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا۔ بتا نے لپک کر روکا کہ ذرا تھبڑو۔ ذرا تھبڑو۔ بتا نے پیچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا۔ وفادار سے کہا کہ ذرا کو اڑوں کی درز میں جھانک

کر تو دیکھو ہی ہیں۔ وفادار نے پہلی ہی نظر میں پچان لیا اور کہا کہ بے شک وہی ہیں اور اب تو میں ہیں سر کار کے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ڈاڑھی میں تو یہی سفیدی نہیں۔ بتایا ہے سن کر وفادار کے گلے سے لپٹ گیا اور کہا کہ خدا کے لیے کسی طرح مجھ کو اس تضییحت سے بچاؤ۔ میں ان کم بختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس طرح چھپاؤں۔ وفادار کو بتایا کہ انظر اراد یہ کہ بہت ترس آیا اور اس نے کہا تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کو پانخانے کھڑا کر دیجئے۔ چھوٹے میاں آخر اندر آ جائیں گے۔ اس وقت ان کو نکال باہر۔ واقع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی۔ آخر یہیں کیا کہ چھپا چھپ ان سب کو پانخانے میں اور پر تسلی چھوٹ، آگے پیچھے دھکیل، کنڈی لگا، باہر کا پھانک کھول دیا۔ میر منقی نے دوڑ کر تبتیج کو چھاتی سے لگایا اس وقت کی کیفیت بھی جس جس نے دیکھی ساری عمر اس کو نہیں بھول سکتا، بیڑھا چھوٹ نہیں مگر ادھیز، اور جوان فرشتہ اور شیطان یا رحمت اور قبر یا نیک اور بدی یا ثقہ اور رند یا حاجی اور پاجی یا چچا اور بختیجا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگئے ہوئے کھڑے رو رہتے تھے۔ بتایا تو دھاڑیں مار رہا تھا۔ اور میر منقی کی آنکھوں سے برادر آنسو جاری تھے۔ اور چونکہ رنج کو بہ تکالیف خبط کرتے تھے، بوئی کانپ رہی تھی۔ پچاس ساٹھ آدمی حلقة باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی۔ کامل پاؤ گھنٹے کے بعد منقی نے بتایا کوئینے سے جدا کیا۔ اور سب کے ساتھ اس کو لے جا کر دالان میں بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے۔ آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر نہیں کیا۔ پہلے ان کے محمد اخلاق ۸ کا نام کور بانچر عالت اور وفات کا آخر ناتھ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر منقی زمان خانے میں گئے۔

بنتا اے کے پچھا میر مقی کا اپنی بھانجی یعنی بنتا اے کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر دعویٰ کرنا  
ماموں کا آنا سن کر بھانجی کوماں باپ اور ساس سرے کامرا نہ۔ بھائیوں کا ظالم اور سب سے بڑھ کر بنتا کا اس سے بے  
تعلق رہنا۔ اپنی بے کسی گھر کی تباہی آئندہ کی نا امیدی غرض ساری داستانِ مصیبت اول سے آخر تک یاد آگئی۔ وہ دل  
ہی دل میں رو نے کی تیاریاں کر چکی تھیں۔ جو ماموں نے اندر قدم رکھا۔ اور بھانجی کے ساتھ نظر دوچار ہوئی۔ اس نے  
کسی طرح لڑکھراتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکل کرغش کھا کر گر پڑی۔ باتحہ پاؤں ٹھنڈے پر  
گئے۔ دانت پیچی ہو گئے۔ لخانے سنجھائے۔ منہ پر گاب کے چھینٹے دیئے۔ بارے ہوش آیا تو اس نے ایسے میں شروع کئے  
کہ سننے والوں کے گنجھے منہ کو آنے لگے۔ دل دبل گئے۔ آخر مقی نے سر پر باتحہ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت اس میں قدر رنج  
کرنا عبودیت کی شان نہیں ہے۔ رنج مصیبت کو نہ ہال سکتا ہے اور نہ اس کو ہلاک کر سکتا ہے بلکہ اللہ مصیبت کو بڑھاتا ہے۔  
جیسے محبت مان کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے لاکھوں کروڑوں درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام  
بندوں کے ساتھ ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ یہاں ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں۔ ایسا  
خیال کرنا تو کفر کے عاد و غاہ طریق بھی ہے۔ بندے بھلے اور بڑے امیر اور غریب، توی اور ضعیف، حاکم اور حکوم، بادشاہ اور  
رعیت یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بد و نہ خدا کی مرضی کے ایک پتابانا  
چاہیں تو نہیں بلا سکتے۔ ایک ذرے کو جگہ سے سر کانا چاہیں تو نہیں سر کا سکتے۔ کسی انسان کا نفع و ضرر نہ خدا کے اختیار میں  
بے نہ کسی دوسرے انسان کے۔ دنیا میں جس کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے۔ اس کے بیہی معنے ہو سکتے ہیں  
کہ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ اس کا فائدہ چاہتا ہے۔ نہ یہ کہ اس کو فائدہ پہنچتا ہے یا پہنچا سکتا ہے۔ اس واسطے دنیا کی  
ساری محیثیں از برائے نام ہیں۔ پچھی اور اصل محبت خدا کی بہ کہ ساری نعمتیں اور ساری برکتیں جو ہم کو حاصل ہیں۔ یہاں  
تک کہ زندگی اتنی کی دی ہوئی ہے۔ بایس ہمہ انسان کو اس زندگی میں ایذا نہیں بھی پہنچتی ہیں۔ مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی  
نہ کوئی فائدہ مضر ہوتا ہے۔ مثلاً طبیب کو وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔ کبھی اس کو کڑوی دوا پاتا ہے۔ اور کبھی اس کی فصد  
ایتا اور کبھی یہاں کے زخم کو شیگاف دیتا اور کبھی شاید اس کے عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر ایسا کرنے سے کیا شہر کیا جا سکتا ہے کہ  
طبیب اپنے یہاں کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔ اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دنیا میں پہنچتی ہیں اور باشبہ خدا کی مقدس مرضی سے  
پہنچتی ہیں۔ ظاہر میں تکلیف اور باطن میں آرام ابتداء میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت۔ اول تو اس کا فیصلہ کرنا مشکل  
ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف بے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے۔ ظاہر میں یوگی ایک بڑی

مصیبت بہ۔ مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور یہوی پرسوکن لا کر اس کو زندہ درگور کرتا یا یہوی سے اس کا دل ایسا پھرتا کہ جب تک جیتا اس کو خخت ایذا دیتا یا ایسے امراض میں بتتا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا اور اسی طرح کے اور بہت سے اختلالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی یہوگی کو ترجیح دے سکتی ہے۔ سہاگ پر بس جب تک انسان کو عام مستقبلات یعنی علم غیب نہ ہوا وہ اس کو نہ ہوا بہ اور وہ اس کو نہ ہوا۔ وہ کسی حالت کو جو اس پر یا کسی پر طاری ہو برآ کہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم پسند کرتے ہیں۔ مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہیں۔ اسی طرح جو تجیہ ہم اپنی معلومات سے نکلتے ہیں ناقص۔ ادھوری رو داد اس پر فیصلہ نہ کافی تحقیقات اور اس پر تجویز اور مانا کہ جو تکلیف ہم کو پہنچیں حقیقت میں تکلیف بہ تو کیا۔ شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ اپنی عزیز رسمیت کو تادیب یا تنقیبہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ نبیشہ ایسی ایذا نہیں پہنچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایت۔ پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پہنچ جائے (جانے دوان بے شمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اس کی محصور انہمتوں کو) تو بندہ کیوں منہ پہنچائے، کس لئے بڑا بڑا۔ سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے۔ یہ بہ کہ مصیبت دل میں بالتفصیل عجز و انکساری کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت نہیں رحمت ہے۔ لیکن خدا کو یاد کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اس سے ناراض رہو۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی رحمت پر اپرا بھروسہ اور استسیم کا بہ۔ اور اسی کا نام صبر ہیں بہ اور آدمی کو جس کا خوب ہوا۔ مناسب ہوا اور یہوں ہی ہونا چاہیے تھا۔ یہ تو درج رضا اور استسیم کا بہ۔ اور اسی کا نام صبر ہیں بہ اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور دل کمزور اور جس کی بہت کوتاہ اور جس کا ارادہ متزلزل ہے، اس درجے پر پہنچنا دشوار ہے۔ مگر اعلیٰ علمیں پر نہیں پہنچ سکتے۔ تو ایک سیر ہمی دوسری ہمی جتنا ہو سکے کچھ تو اچکو کسی قد رتو ابھروسہ کے اسفل انسانیں کفران سے نکلو۔ یہوں کہنے کو تو زبان سے سمجھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے۔ چند روزہ بہ، خواب بہ، سراب بہ، سایہ بہ، سحاب بہ، برق بہ تاب بہ، مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ زبان ہمارے دل کی پچی ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لئے اتناغل چھاتا اور اس قدر روتا یہیتا مصیبت پر جو منفعت ہم نے نبیشہ مترتب ہو تو دیکھیں، وہ تو یہ بہ کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اس کے ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنی اگر انسان کا بہ تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست و چالاک ہو جاتا ہے۔ آرام طلب تھا تو جنا کش، بھولا تھا تو سیانا، مسرف تھا تو گانیت شعار بد پر بیز تھا تو مقناط، جلد باز تھا تو دھیما، آوارہ تھا تو نیک کردار۔ جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اس کی عقل کا ٹھکانا، نہ اس کی رائے کا بھروسہ نہ اس کا دین درست نہ اس کے اخلاق شائنے۔ اس کے غالباً وہ اس کا دستور ہے کہ ایک حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو، اگر ساری عمر یکسانی کے

ساتھ چلی جائے تو اس حالت کی عدمگی کا احساس نہیں رہتا بلکہ اکتا کر خود اس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ایک باورچی کو میں جانتا ہوں جنمکین اور یتھے چاول یعنی بریانی تمنجن وغیرہ پکانے میں کامل استاد تھا۔ شہر میں کہیں نہ شادی یا ٹنی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی تھی؛ جس کے بیہاں چا لوں کی چخت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا۔ اور اس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق تدیکی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک رکابی ایسی ہوتی تھی کہ اس کا سارا گھر اس کو کھا کر انہیں ہو جاتا۔ پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہتر سے بہتر تمنجن کھانے کو ملتا تھا۔ پس یہ حالت تھی کہ کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی تمنجن کو ترستا ہو یا ان کبھی تو سننے کے ساتھ ہی رال پک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل و عیال کا کیا حال تھا کہ مفتیں کر کے بریانی تمنجن کی رکابیاں نہ مانے کے لوگوں کو دیتے اور ان سے روئی چنی مانگ کر کھاتے۔ پس ہم نے تند رستی کی قدر بیماری سے جانی۔ وطن کی پر دلیس سے تو ٹنگری کی مفناں سے آرام کی دکھ سے راحت کی مصیبت سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواباں بے ضرور بے کہ مصیبت کا بھی مزہ کچھ۔ مصیبت زدہ کے لیے سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے۔ مثلاً اگر اس کو صرف یہو گی کی شکایت بن تو پائے گی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں یہو عورتیں اور بھی ہیں۔ شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد یہو ہوئی۔ اور بزراربا اللہ کی بندیاں ایسیں بھی ہیں جنہوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی۔ پس وہ یہو گی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید ان کو روئی کا بھی کہیں سے آسرا نہ ہو، پس یہو داولہ ولد کے علاوہ محنت بھی۔ فکھری ندری بھی اور شاید دکھا۔ بیار اور شاید انہیں اور لاولی اور اپانی بھی، کسی کو اگر کھلبی کی ایذا بنت تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ بالله۔ جس کی آنکھ میں ناخن ہے۔ کیا اس کو اس سے تسلی نہیں ہو گی کہ دوسروں کی آنکھ میں میٹھی یا دوسرے کانوں سے بلکہ انہیں بھی ہیں۔ غرض دنیا کا حال یہی ہے کہ ایک سے ایک بہتر ہے۔ پس کیوں کوئی مغروہ ہو اور ایک سے ایک بدتر ہے تو کس لیے کوئی ناصبور ہو۔ بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی۔ مگر اس مصیبت پر جو تمہاری حالت بے شکر کے قابل ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے تند رست ہو۔ عزت و آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو۔ تم نے کسی کے آگے باتھ نہیں پہنچایا۔ تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی۔ تم نے پیٹ کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی۔ ٹھیل نہیں کی۔ گومان پاپ کو خدا نے اٹھایا۔ مگر ابھی تمہارے غم گسار، تمہارے خبر گیر، تمہارے سر پرست موجود ہیں۔ اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں کہ باپ جتنی نہیں کروں گا۔ اس سے پورا طمینان رکھو کہ انشاء اللہ اپنے مقدور بھر تمہارے حال کی اصلاح تمہارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتا ہی بھی مجھ سے نہ ہوگی۔ ادا اسی شہر سے بلکہ اسی محلے سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمہارے پڑوس سے جتنی عورتیں کہو بالا آتا ہوں جن کو دیکھ کر تم ضرور حم کرو گی اور

سنجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دکھیا ہیں۔ ایک حکیم کا قول بنے کر دنیا میں ہر شخص خوش بے اس واسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے کی حالت کے ساتھ بد لانا نہیں چاہتا۔ جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی تو میں ذرا اس پر ٹھکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو میں نے اپنی جان پیچان کے پانچ چھاؤں میں تجویز کئے۔ ہن کی حالت تو بُنْظُر ظاہر میں اپنی حالت سے بہتر سمجھتا تھا۔ لیکن اچھی طور پر غور کیا تو ایک لاولد تھے۔ دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے۔ مگرنا ہموار۔ تیر سے دائم المرش۔ چوتھے شدت سے کنجوں۔ پانچویں بیوی کی بد مزاجی اور بد سیستگی اور بد زبانی سے عاجز چھٹے اندھہ باغرض کسی کو بے داش نہ پایا۔ تب اس حکیم کے مقولے کی تصدیق اور میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل بنے کہ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو۔ رفتہ رفتہ خود بخود اس کا اثر منظم ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہے۔ کبھی ہمارے ماں باپ بھی مرے تھے ہم بھی ان کے فراق میں تمہاری طرح بہتی راوے، دھونے، غمگین اور اداس رہتے۔ آخر بھول بر گئے۔ غرض انسان کو چاروں ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سرکرا کر کنویں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مر رہتے۔ مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے۔ صبر محمود وہی بے کہ نزول مصیبت کے وقت ہو۔ جبکہ رنج دل کو نچوڑتا اور کجی کو کمر چتا ہے۔ آنسو ہیں کرنے چلے جاتے ہیں۔ اور انس بے کہ پیٹ میں نہیں سماتا۔ وہ بندے کے لیے سخت آزمائش کا وقت ہے۔ معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اس کے منہ سے نکل گیا یا اس کے دل میں خدا کی نسبت جمل عاشانہ بے رحمی یا بے انسانی کا خیال وسو سے کے طور پر بھی آ گیا۔ تو بس دنیا خراب عاقبت بر با دُخْسَرُ النَّيَا وَالآخِرَةِ وَ نَالَكَ بُو الْخَسْرَانَ نَمِينَ متنی نے جو یہ باتیں عتل کی دین کی فصیحت کی بیان کیں تو بھانجی پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو تھوٹی لگادی۔ ڈوبتے ہوئے کو اچھا کر کنارے پہنچا یا۔ مر جھائے درخت کو پانی دیا۔

## میر مقتضی کا بتنا کے امور خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

مقتضی کا ارادہ تو یہ تھا کہ بھائی سے مل کر ہفتہ عشرہ روکر رام پور روانہ ہوں گا۔ مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ۔ یہاں آ کر دیکھا تو بھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور نتیجے صاحب نے وادو ہم مچار کھنی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی مقتضی کے پہنچنے میں دیر ہوتی تو تنخوا ہوں کا، کرانے کا، رہنے کے موروثی مکان کا، خاندان کی عزت و آرزو کا، بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ باپ کا بیمار پڑتا اور بتنا کام درست سے اٹھنا۔ وہ دن اور آن کا دن اس بندہ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا۔ شروع شروع میں دو چار ہم جماعت بالے کو آئے۔ بعض مدرسون نے بھی کہا بھیجا۔ بتنا کس کی سنتا تھا۔ رخصت کی، غیر حاضری ہوتی اور غیر حاضر ہوتا تھا کہ نام کٹ گیا۔ بیٹھے بھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آئندہ کی ساری امیدیں ایک دم سے منقطع ہو گئیں۔ جن سرکاروں سے تنخوا ہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ پیروی کر کے وارثوں کے نام ان کا اجر آ کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرے تو بتنا اور نہ کرے تو بتنا۔ اگر باپ کے مرنے پر بتنا ان سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا کہیں سے ماتحت خلعت، کہیں سے نقد پکھنہ پکھلاتا۔ اور تنخوا بھی کہیں سے پوری کہیں سے ادھوری جاری ہوتی ہی ہوتی۔ مگر بتنا کو اپنے مشاغل لا یعنی سے اتنی فرصت کہا تھی کہ وہ ان باتوں کو سوچ اور خلعت یا تنخوا کے لیے سرکاروں میں دوڑ دھوپ کرے۔ غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہو گئے اب آدمی کے نام سے تور گیا کیا صرف کرایہ۔ اول تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس قدر تھا اس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دورو پر دینے ہیں اس نے مانگنے نہ میں دیکھانے حساب نہ کتاب۔ قلم اٹھا کسی کرایہ دار کے نام پہنچی لکھ دی کہ اس کو دورو پر دے کر کرایہ میں مجرما کرو۔ اب وہ پہنچی والا کرایہ دار کے سر ہوا۔ ہر چند وہ کہتا جاتا کہ بھائی ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا۔ میں نے اپنی گرد سے مرست کرائی ب۔ پہنچی والا ب کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الی شہر میں بزرگ اور لامکوں دکانیں ہیں، یہ پہنچی کا انوکھا اور زیاد استور نہ دیکھانے سننا۔ ایک لمبیر صاحب تھے اللہ بنخشنے کے ایک مہینے کا کرایہ دوسرا میں اور دوسرا کا تیرے میں وصول ہوتا رہتا تھا۔ بے چارے کبھی ایک سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے۔ انہیں کے صاحزادے ہیں کہ بے حساب بیٹھے بیٹھے چھمیاں اڑاتے ہیں۔ گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے کے حکم نامے۔ غرض اکشوں نے بیدل ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اٹھ کر کہیں اور جاربے ہیں اور جائیداد اس قدر بد نام ہو گئی کہ کوئی دوسرا کرایہ دار رخ نہیں کرتا۔ بتنا کے باہم لگ گیا تھا مال کا زیوراتی میں یہ تمام گل چھرے اڑا رہے تھے۔ پونے دو بزرگ کا زیور

اس مرحومہ کا تھا۔ چھ میینے میں سب خالصیہ لگ چکا۔ اب میینے سوامیینے سے ادھار پر گزران تھی۔

متنی نے جو یہ حال بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیونکہ مکان تھا کہ ان لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر چا جائے۔ ناچار رام پور کا ارادہ سر دست فتح کیا اور بتا کو ساتھ ساتھ سر کاروں میں لئے لئے پڑا پھرا۔ کسی کے کار پرداز سے ساز باز کی۔ کسی کے دار و نمکو جا گا نہیں۔ غارش پہنچائی اور سعی کے مقام پر سعی کرائی۔ بعض جگہ اپنی وجہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے حسن خدمات پر زور ڈالا۔ غرض کئی میینے کی دمادوں سے اتنا ہوا کہ میر مہذب کے زمان حیات میں جتنی تجوہیں تھیں باکم و کاست اپری پوری کھل گئیں بلکہ بعض سر کاروں نے پہلے چھ میینے کی چڑھی ہوئی تجوہیں بھی باوضاعات دیں۔ میر متنی نے ایک پیش بینی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تجوہی یعنی باخدمت بطور معاش ملتی تھی۔ اپنی بھانجی غیرت بیگم یعنی بتا کی بی بی کے نام جاری کرائی اور تجوہ انشرو ط الخدمت بتا کے نام۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ بی بی کے آگے بتا کی ذرا کئی دبی رب۔ تجوہیوں کا پچھا جپھا ہا ہوارو پیسے جس قدر ملا اس سے مکانت اور دکانات کی شکست و ریخت کی درستی کرائے کرایہ داروں کو بسا کران کے سرخط بھی آدھے کرائے کے بتا کے نام اور آدھے غیرت بیگم کے نام لکھوادیئے۔ میر مہذب کے روز وفات سے آن تک بیوتات کا حساب نیئے کے یہاں سے ادھار چلا آتا تھا۔ حساب کر کے اس کا ترضہ چکایا اور آنندہ کے لیے اچاپت کو مطاقت بند کر کے یہ تاعدہ باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آ جایا کرے۔

میر مرتقی بڑے بھانجے سید حاضر کو تمباخاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث مت کرو  
غیرت بیگم کو بھائیوں نے ترکہ پدری سے محروم کر کھاتھا۔ اور کس کی مجال تھی کہ ان بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بالا  
کے اوگ تھے کہ اگر ناش کی بھنگ بھی ان کے کان میں جا پڑتی۔ تو کہاں کے ماں اور کس کی بہن اور کیسا بہنوئی سب کی  
عزت کے لاگو ہو جاتے۔ یہ ایک شعر جو مشورہ ب۔

فیض	سادات	آیند	سادات	جن	جا	بہر
فیض	فیض	فیض	فیض	فیض	فیض	فیض

کہتے ہیں کسی نے سید نگروں والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور مرتقی کو وہاں کے اوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور  
مخا صمانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور ان کے مقابلے میں مدعا یاد عالیہ ہوتا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے  
لیے کیوں نہ ہونہ ان کو شایان تھا اور نہ غیرت بیگم کے حق میں مفید۔ سید نگر کے سب اوگ زمیندار اور رعایا یہاں تک کہ خوش  
باش اور اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ یوں جھوٹا حلف اٹھالیا جھوٹے گواہ جھوٹی رو داد اور جھوٹی دستاویزیں بنانا حاکم کو دھوکا  
پرایا حق مار بیٹھنا اوگوں کا حق ستانا ان باتوں کو بڑا بھر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جزل اپنے  
دوستوں میں خراپی فتوحات کے واقعات کا یہاں کرتا تھا۔ یہ اوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات کے تذکرے کرتے  
رہتے تھے۔ کوئی امیر اپنی مدح پر اتنا ناز نہ کرتا ہوگا۔ جتنا ان کو ڈگر یوں اور نیصلوں پر تھا، ان اوگوں کی نظر وہ میں میر مرتقی  
صوفی و فقیر تھے۔ مگر ساداوح اور سفید عالم و فاضل تھے۔ مگر الحق ولا یعقل، میر مرتقی کا چھوٹا بھانجا سید نگر ناظر جو غیرت بیگم  
سے بھی عمر میں چھوٹا تھا۔ کچھری دربار کا کام دیکھتا تھا۔ اور تمام معاملات مقدمات اسی سے متعلق تھے۔ پس یہ کھر کا عتمل  
کل تھا، سید حاضر جو غیرت سے بڑا اور اکبر اولاد تھا۔ سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تخصیل کرنا اور  
سید اک جتو اتنا بنا غرض گاؤں کا سب کام کان اس کے پر دتھا، ماں کا آنا سن کر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً لگے ہی دن آ  
حاضر ہوا اور اس نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیت کے لیے ماں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہئے۔ لیکن جب وہ  
واپس جانے لگا تو میر مرتقی اس کے ساتھ ادا نے رسم تعزیت کے لیے سید نگر گئے۔ ناظر وہاں نہ تھا۔ معلوم نہیں کسی ضرورت  
سے غیر حاضر تھا۔ یا تصدأ ماں کی آمد سن کر کل گیا تھا۔ میر مرتقی نے تقریب تعزیت جہاں اور بہت تباہی میں سید حاضر سے  
کیس۔ ان میں سے یہ بھی تھی کہ تم کو شروع سے خدا نے بڑا کیا کیونکہ تم بھائی صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے

ہو لیکن تم پہلے صرف ان کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے ہو کیونکہ تم کو لوگ مر جو ممکن ہا جانشین سمجھتے ہیں اور تم ان کے جانشین ہو بھی۔ انسان کو خدا نے ایسے طور کا مخلوق بنایا ہے کہ تمدن اس کو لازم ہے۔

جس طرح تمدن اس کے وجود کی شرط ہے کہ اگر انسان مدنی اطمینان ہوتے اور آدمی آدمی کے ساتھ مل کر نہ رہتا تو آگے کو ان کی نسل نہ چلتی۔ اسی طرح تمدن انسان کی حیات بلکہ اس کی مماثت کی بھی شرط ہے تمدن نہ ہو تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچے اس کی منی خراب تمدن کی ضرورت سے آدمی دو دو چار چار دس دس پچاس پچاس، ہزار ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیاد دو یاد دا کٹھے ہو کر رہتے ہیں اور خاندان اور قبیلے اور کنبے اور برادری اور گاؤں اور قبیلے اور شہر اس تمدن کے مظاہر ہیں۔ تمدن سے لوگوں میں انواع و اقسام کے باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، میاں بی بی، بھائی، بھنی اور جتنے طور کے دور و زد دیک کے رشتہ دار ہیں۔ اور بمسایہ اور بہم وطن اور حاکم و محاکوم اور باڈشاہ اور رعایا اور استاد اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمیندار اور کاشت کار اور باعث اور خریدار وغیرہ یہ سب نام ہیں، لوگوں کے باہمی تعلقات کے ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے، باپ کا حق ہے کہ بیٹا اس کا ادب کرے۔ اس کا حکم مانے اور اس کی ذمہ داری یا عبارت دیگر اس کا فرض یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پائے۔ تربیت کرے پڑھائے لکھائے بنر سکھائے جو اس کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے سب الاما شاء اللہ مطفف میں مطفف عربی میں کہتے ہیں اس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو جھکی ہوئی توں لے اور دوسرا کے کادینا ہو تو اڑتی ہوئی دے۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

افسوں بے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ کریا توں کرو دینا پڑے تو ان کو گھٹاٹا پہنچانیں۔ کیا لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اس دن ان کو مر کر اٹھانا ہو گا۔ اس دن لوگ پر دو گار عالم کے رو برو کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں الاما شاء اللہ جو اپنے حق سے کسی بھائی کو رکنی بھر جھوڑ دے۔ لینے میں تو ایسا سیانا اور سخت گیر اور دوسرا کے حقوق ضائع ہوں۔ تلف ہوں کچھ پروا نہیں۔ ذرا دل پر میں نہیں، دینے میں ایسا گھر کا بھولا اور شریر اور کشکش اور مخدعے کے روکنے کے لیے اللہ صاحب جل شانہ نے دو ہرے دو ہرے انتظام کے لیے ایک سلطنت ظاہری کے باڈشاہ بے اور اس کے پاس فونت بے اور تو پ بے اور تلوار بے اور قوت بے اور پولیس بے اور حاکموں کا ایک گروہ بے اور جا دبے اور تیل خانہ بے اور بند بے اور تازیانہ بے۔ اس انتظام کے تفصیلی حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں۔ دوسرا ایک سلطنت الہی بے جس کو دین یا مدد ہب یا شریعہ کہتے ہیں۔ اس میں تو پ کا نام نہیں، تلوار کا کام نہیں۔ اعوان و انصار نہیں فونت اور سپاہ در کار نہیں۔ مگر دنیا میں جس قدر امکن اور

جنی عافیت بے۔ اس الہی سلطنت کی بدولت بے۔ ظاہر ہیں اور کوتاہ ہیں ایسا بھجتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکام  
ظاہر کرتے ہیں۔ استغفار اللہ نہ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ ملک کی ساری پلنیں کا اون کی اور گوروں کی اور سارے  
رسائے اور سارے توپ خانے اور سارے پولیس کے ملازم اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر  
پھیلا کر دیکھو۔ تو کیا پر تسلیم تھا بے۔ اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کاپتا بھی نہیں بیٹھے گا۔ مگر فرض کرو کہ دس ہزار بیٹھے  
ایک تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی بے کر ایک تنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر ہو۔ آدمی تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا  
دس ہزار بھینز کبری بھی ہوں تو ایک چڑواہا ان کو ایک جگہ لکھ رکھ سکتا۔ نہ یہ کہ ان کو جس کروٹ اٹھائے انہیں اور جس  
کروٹ بھائے بیٹھیں، باشید تمہارے دل میں یہ بات خلود کرے گی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہے تو دس ہزار کو عبرت  
ہوتی۔ لیکن خیال کرنے کی بات بے کہ جن کو سزا ہوئی انہیں کو کیا عبرت ہوئی کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں ناب خدا  
جانے جھوٹ یا حق کہ بد معاش لوگ اول تو گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامت کا ماراقضارا مخوذ بھی ہو تو سید گر  
والے (وکیل مختار) اس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو ان کو عبرت۔ اس سے ظاہر ہے کہ چھوٹے ہیں تو  
دوسرا قید یوں کو وصیت کر آتے ہیں کہ دیکھنا بھائی میرے چوہبے کو باتھنے لگانا مہینہ پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر  
آتا ہوں۔ ہم کتو کبھی اتفاق نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا جاتا کہ فلاں مقام پر فلاں خونی کو  
فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی۔ دو ہزار آدمیوں کی بھینز تھی۔ عبرت ہو تو ایسی ہو۔ یہ سب ناواقف تماشائی تھے اور  
سگ دل قصائی، اس کے علاوہ ایک بدیہی دلیل ایسی بے کہ اس سے تو تم کو میری بات کا پورا یقین ہو جائے گا۔ یہ بلواہا جو  
بیلوں کو تھان سے کھوں کر لے جا رہا تھا۔ اس کا کیا نام بے؟

حاضر: اس کا نام غریبا

متنقی: ذرا اس کو بیانا

حاضر: نے بایا تو اس نے بل تو کندھے پر اتار کر دیں رکھ دیا اور اسی بل سے بیلوں کو انکا سامنے آ کھڑا ہوا۔

متنقی: کیوں میاں تمہارا کیا نام بے۔

غریبا: میاں مجھ کو گریبا کہتے ہیں۔

متنقی: کون ذات ہو۔

غریبا: گوجرانا

متنقی: تم کتنی کھیتی کرتے ہو؟

غريبا: ميري کيختي الگ نہیں (سید حاضر کی طرف اشارہ کر کے) باجر (حاضر) میاں کا بلوابا ہوں اور کھار میں ایک دو بیکھے کا کھیت بھوما لوپنے کا بے۔ اس میں ادھواڑ کا بائیہ دار ہیوں۔

متنقی: بال پچے کتنے ہیں

غريبا: (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا بے۔ آٹھ۔

متنقی: کسی کا بیاد برات بھی کی بے۔

غريبا: ابھی سب نیدان کھیں۔

متنقی: اتنے کنبے میں کیوں کر گزرتی ہوگی۔

غريبا: باجر (حاضر) میاں کی دیا سے روکھی سوکھی، میں اکشی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے انہی کی ٹھہل میں لگر ہتے ہیں۔ یہی سب کو پالتے ہیں بھیرتے بڑی سہایا تارہتی ہے۔

متنقی: اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر (آہتہ سے) کیوں بے آن کل تو کھلیاں تیار ہیں۔ رات بے رات موئی پا کر کھلیاں پیچھے دو دو پولی بھی اٹھالائے تو کسی کو کیا معلوم اور مزے میں تیرا کام ہو جائے۔

غريبا: (دورہٹ کر) نا میاں بھگوان بر اکام نہ کرائے۔

متنقی: کیوں کیا جا گا چوکیدار سے ڈرتا بے۔ اس کو ہم سمجھادیں گے۔

غريبا: جا گا (گالی) کہاں کا سورما بے۔ ایک ڈپٹ بناوں تو (گالی) دو ہوتی ہیں۔ پر نہیں بر اکام بر اہی بے۔

متنقی: ابے مسخرے کسی کو کانوں کا ان تو خبر ہونے کی نہیں، یہ اچھا بے کہ تن پر چیخڑا نہیں، پیٹ کو نکڑا نہیں۔

غريبا: مانس شہزاد امت دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں۔

اس کے بعد متنقی نے استمالت کی دو چار باتیں کر کے غریبا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا۔ کیوں صاحب آپ نے دیکھا یہیں انتظام الہی بے کہ یہ بے چارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری نمر کسی پنڈت، برہمن کی صحبت میں بیٹھا۔ ضرورت اس درجے کی کہ اگر چیز پوچھئے تو نہ لامض طرفی مختصہ کامصداق بے اندیشہ پا سہاں سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا بے کہ بر اکام بے۔ اصل میں بر اس بھنا اس کو چوری کے ارتکاب کا مانع بے اور یہ سمجھ لیعنی برے بھلے کا اتیاز جو خدا نے مرد عورت اڑ کے جوان، بوزھے خواندنا خواند وہ ہیں غنی شہری دیہاتی سے بنی آدم کو اعلیٰ قدر مراتب دیا بے۔ ایک پا سہاں الہی بے جو ہر ایک پر مسلط بے اس کو کراما کا تین کے کہو یا نفس لے اور اسے سمجھو یا جن الفاظ سے پا ہو تعبیر

کرو میر اعتقد و تو یہ بنے کہ جسموں کا انسداد لا کھ حصے سلطنت الہی کی تاثیر سے بنے تو شاید ایک حصے حکومت ظاہری کی تدا بیر سے حکومت ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ بنے کہ حاکم کیسا ہی منصف کیوں نہ ہو چونکہ اس کو معاملے کی اصل حقیقت سے تو آگئی ہوتی نہیں۔ تاچارا سے رو داد کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور رو داد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سیدنگری بجا یوں سے پوچھئے کہ ہو تو کمکھی کو بینسا بنادیں اور فرماؤ تو بھینسے کو محشر بنا کر اڑا دیں۔ لپس حاکم ظاہری کبھی پورا پورا انصاف کرہی نہیں سکتا۔ اس کا فیصلہ انہیں ہے کی لائھی ہے۔ لگی لگی نہ لگی نہ لگی برخلاف سلطنت الہی کے اس کا ناشانہ نہیں کہ خطا کرے۔ اس کا مجرم ہو نہیں سکتا کہ تزا سے تج جائے کسی کی مجال ہے کہ اس کی ڈگری کو رو کے کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو ٹالے اگرچہ خدائی نیضلوں کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ یعنی روز قیامت کے اس دن اللہ جل و علا شانہ عدل و انصاف کے تحت پر اجاس فرمائے گا اور بد اور بخی اور شوم اور ظالم اور مظلوم سب کا اخیر چکوتا کر دے گا۔ فریق فی الجنتہ و فریق فی السعیر ٹکر کبھی مصلحت الہی اس کی بھی مقتضی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں بدل مل جاتا ہے۔ یہی سیدنگر ہے کہ اب سے بہت زیادہ دور بھی نہیں۔ شاید میں برس پہلے دس بارہ باتھی سادات کے دروازوں پر کھڑے جھومنتے تھے۔ اور ان کی سخاوت اور داد دنش اور مہمان نوازی اور مسافر پروری کی کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حریر میں اور بخف اور کاظمیہ تک زوار ہر سال نام سن کر آتے تھے۔ میں ان دنوں اچھا خاصا ہو شیار تھا۔ مجھ کو اب تک یاد ہے کہ اس بڑی مسجد میں دو ڈھانے سو طالب علم رہتے تھے۔ اور یہیں کے سادات ان کے کھانے کپڑے کتاب سے چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ طالب علموں کو پڑھانے کے لیے بیش قراتخواہوں کے پانچ یا چھا بھی جیہے جید حافظ اور مولوی نوکر تھے۔ سارے مہینے رمضان کے اور دس دن حرم کے غربا اور مسائیں کے لیے اس قدر کھانے کپتے تھے کہ اس کا ٹھیک انداز دکھانا مشکل ہے۔ بارہ کوں کے گردے کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیانیتوں کی برکت تھی کہ ہزار دو ہزار پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خیری روٹیاں ایک پیالہ تلبے کا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پر پہنچ جاتا۔ میر بابا صاحب کا گھران دنوں سب سے بڑھا چکھا تھا۔ ان کا حال سنبھال کر ان دنوں وقت گئے ہوئے پورے سو آدمی دستخوان پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور کسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو کوڑیوں اڑکے سیدنگر میں بھی کسی سیدانی کو پانچ اور چھٹے سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں آئے۔ غالباً بیشہ ارزان، عام بیماری یا وبا کبھی سیدنگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔ یہاں ایک گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چا، طرفین سے آدمی مارے گئے۔ اس دن سے سیدنگر پرتاہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے ہی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی چل آتی تھی۔ مگر اس مقدمے میں سادات سراسر بر سرنا حق تھے۔ بیشہ سے سیدنگر کا سوانا اس تمیں ہزاری بانٹ کی شرقی کھانے تھی۔ یہ بانٹ میں سوانے پر اسی غرض سے لگایا گیا تھا کہ گوجرد سے متجاوزہ ہوں۔ تکرار

اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میر بابا کے بڑے بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھانس باش کے پورب کاٹنی شروع کی۔ گوجروں نے مراجحت کی۔ یہاں تک داتا سنگ نے جو گوجروں کا سرگرد اور میر بابا کا مد مقابل تھا۔ اپنا خاص کارندہ میر بابا کے پاس بھیجا۔ وہ کارندہ میر صاحب تک پہنچنے نہیں پایا کہ تیج میں میر مقتدر نے اس کو بہت کچھ تخت سست کہا اور جتن ونا حق ہزار ہا گالیاں داتا سنگ کو دیں۔ میر مقتدر بڑے غصیلے اور بڑے ظالم اور بڑے تخت گیر اور بڑے جابر مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ دو تین خون ان کے ہاتھ سے ہوئے۔ مگر دب دبا گئے۔ انہوں نے ظلم کئی بھلے آدمیوں کی تاموس بگاڑی اور عزت ریزی کی۔ میر بابا کے خاندان میں جو سید اوگ نہ نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے بالا ایک ایسا عورتوں کو نہ تاجر گھر میں ڈال لیا تھا۔ کوئی ہندنی تھی کوئی چماری کوئی گوجرنی غرض میر مقتدر کے بعد سے ان کے خاندان کے نسب کا اعتبار اٹھ گیا۔ بیٹے کے زور و ظلم نے میر بابا کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا۔ نہیں معلوم دیدہ و دانستہ بیٹے کی حرکات ناشائستہ سے چشم پوشی کرتے تھے یا اتنی مقدار پر ان کا کچھ افتخار نہ تھا۔ میر مقتدر کا تمام عالم میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید گمکر کی تھانے داری پر آنے کے لیے رضامند نہیں ہوتا تھا۔ مجبور کیا جاتا تو توکری سے استغفاری دیتا مگر ادھر کا رخ نہ کرتا۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید گمکر کو مقتدر کے ظلموں نے تباہ کیا اور زمانہ سوانے کا ایک بہانہ تھا۔ جب مقتدر نے داتا سنگ کے کارندے کو برآ بھلا کہا اور اس کے مالک کے علی رؤوس الائشہاد مغلاظات سنائیں وہ بے چارہ اپنا سامنہ لے کو اٹھ گیا۔ اور داتا سنگ کے آگے جا کر اپنی میگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا اور خود بھی بے عزت ہوئے۔ آن میر بابا کے بیٹے نے بھری کپھری میں مجھ کو اور تم دونوں کو فرشیح کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگ بڑی غیرت اور طنطے کا آدمی تھا اور کسی بات سے میر بابا سے پیٹا نہ تھا۔ سن کر ایا ہو گیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھوکرے کا اتنا مقدار، خیراب لڑائی بنے تو لڑائی ہی، داتا سنگ کے منہ سے اتنی بات کا لکھنا تھا کہ ڈیڑھ دو بڑا گوجر بھاری بھاری لٹھ کندھوں پر دھر رکھانت پر جامو ہو دیوئے۔ میر صاحب کے گسیارے ان کو دور سے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سید گمکر میں خبر ہوئی۔ ادھر سے لشکر مادات بکال دو پہر کامل لٹھ چاہو پونے دوسو آدمی زخمی ہوئے، چار گھنٹی رات جاتے جاتے سر کاری نون تو پلے کر آ پہنچ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ تحقیقات ہونے نے لگی اور نتیجہ یہ ہوا۔

		قید
--	--	-----

دائم التہس	میعادی	۷
۵	۵۱	۲۲۰
۱۸		

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پہ دنوں طرف برادر ہتا تھا۔ مگر سیدوں نے بڑا غضب یہ کیا کہ ادھر تو سوانے پڑا اُنہوںی تھی اور ڈھائی تین سو آدمی سیدنگر سے نکل کنی کاٹ گوجر پور میں جا گھسے۔ اور وہاں گوجروں کے مندوں کو توڑا پھوڑا عورتوں کو بے عزت کیا۔ مگر یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی بہتوں نے پائی۔ میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فون کا آنا سنایا تو سید میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے مگر بار بخطب ہوا اسہاب نیام ہوا، بیٹوں میں تین یا چار تباخ تھے و تو بچے دونے بچائی پائی اور دو کالے پانی تھیجے گے میر مقتدر کے لیے پانسورو پے کا اشتیار ہوا مگر پکڑے نہ گئے۔ رفیق ان کا ایک خانہ پروردہ ان کے ساتھ بھاگا۔ دس بار دبرس بعد اکیا اداپس آیا بڑا نمازی پر بیز گارڈ بیان کرتا تھا ان کی مصیبتیں کہ سن کر رو نکلے کھڑے ہوتے، کہتا تھا کہ آخوند کارکسی مقام پر بغداد کے علاقوں میں میر مقتدر رض موت میں بنتا ہوئے۔ مگر ایسی تھنی کی موت ہم نے تو دیکھی کیا سنی بھی نہیں پورے پندرودن بول و بر از بند تھانہ مسیل اڑ کرتا تھا نہ پکاری اور دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے۔ اور کسی وقت تا لو سے زبان نہیں لگتی تھی۔ بول و بر از کے بند ہونے سے مادے میں سمیت بیدا ہوئی اور سمیت ظاہر جلد تک پھوٹ پڑی، باوجود یکہ نہایت گورے پختے آدمی تھے اور ان مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے تھے۔ سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیتا ب اور سوزش اس بالا کی کچھ میں اونٹے اونٹے پھرتے تھے۔ مگر ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ مرنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی۔ بے ہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے کر کہتے تھے فلا نا مجھ کو مارے ڈالتا تھا۔ فلا نا گرم سینخیں میرے پیٹ میں بھونکتا تھا۔ فلا نا مجھ کو تصور میں دھکا دیتا تھا۔ فلا نا میری کمال کھینچتا تھا۔ رفیق یہ دیکھ کر اس قدر معروب ہوا کہ گویا اتنی دن سے اس نے ترک دنیا کیا۔ غرض و کم بخت سوانے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سیدنگر کے حصے کی قیامت آگئی۔ ابر و اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ نادات سے خیر بالکل اٹھ گئی۔ اب اس میں نوح میں سید کے معنے ہیں مفسد، لڑا کا جگہ لا اور مردم آزار جھوٹا جعل ساز، منتری، فتنہ پرداز اور واقع میں لوگوں کے انحال اور معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بد نامی ہو رہی ہے۔ اس سے زیادوں کے مستحق ہیں۔ گوجروں کے ساتھ ہر نے کامزد چکھے تھے۔ چاہیے تھا کہ اڑائی کے پاس نہ پہنکتے مگر اڑا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی سے بھائی اڑنے لگا، باپ بیٹے سے بیٹا ماں سے، میاں بیوی سے، پڑوتوں سے حصہ دار حصہ دار سے، زمیندار کاشتکار سے گویا اڑائی ان کے

خمیر میں داخل ہے۔ یا بڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے سے اتنے لمبے چوڑے کے کسی کو اپنا کفونہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پابھی سے پابھی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سیدنگر کی کھیوٹ نکال کر دیکھو جھٹا اور توں کے نام ہیں کسی کی جور و کسی کی بیٹی، کسی کی بہن۔ دیوانی و فوجداری میں مہراورناں و نقۃ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سیدنگر کے ہوں گے۔ شاید ساری لفظیتی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں۔ تم لوگوں کے گھروں میں اشامپ کے بڑے بڑے پشتارے بہت نکلیں گے۔ بیسوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں باوجود یہ کہ دیہاتی پہناؤا بے۔ گھٹمری میں سایقے کا کوئی کپڑا نہیں جوار با جرا سانواں کر دوں جو کچھ ہیر میں پیدا ہوا اتنے پر تمہاری گزران ہے۔ تمہارا علاقو شہد کی نکھیوں کا چھتا ہے۔ جتنے پیدا ہوتے گئے۔ اسی میں بھرتے گئے۔ میں اگر تمہارے غلات کا ہتھم بندوبست ہوتا بیگھ بسوائی کچھ انسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمہارا کھیوٹ بناتا۔ یہ حال تمہاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہے۔ اس پر طرد یہ ہے کہ جس حصے کو دیکھیے کہ کثرت سے انتقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کباب بے اور اس میں بزار ہائیونیاں۔ سیدزادوں کو دیکھا تو اس سرے تک ایک بوشیا نہیں کسی میں آنند کی فلاح کے آثار نہیں۔ یہ و بال کہ نکبت یہ ذلت یہ افاس سب تمہارے ہی اعمال کی سزا ہے اور اگر یہ پوری سزا ہوتی تو تم ستے چھوٹے گئے تھے۔ یقین جانوس زانہیں بے بلکہ تمہید سزا۔ جب سزا کا وقت آئے گا۔ تو یہ تمہارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہے۔ جس کو میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی طرف زیادہ توجہ کرو وہ یہ ہے کہ انسان کے ذمہ دو طرح کے حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اوگ حقوق العباد کی نسبت بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور ان کو آسان سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ بڑی ہی کھیر ہے۔ اگر کسی آدمی سے اللہ کے حقوق ضائع ہوں اور سمجھی سے ہوتے ہیں۔ تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ، حقوق الہی کا زیاں اکثر سہوا اور غفلت اور تادانی اور کوتا و ندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور امید ہے کہ خداوند غور و حیم بندوں کے ضعف پر نظر فرمائے اور معاف کرے اور کرے گا، مگر حقوق العباد کا یہ حال نہیں ہے۔ اس میں ایک بندہ ذور سے، ظلم سے، ہیکلیزی سے، زبردستی سے دوسرے بندے کو ستاتا، اس کا دل دکھاتا، اس کو ایذا پہنچاتا ہے۔ اور اس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا۔ اس بندہ مظلوم کے اختیار میں ہے۔ مگر انصاف کرو۔ دنیا میں کتنے اوگ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔ لاکھوں مظلوم ہیں جن کو بندگان خدامرت وقت اپنے سروں پر لا دکر لے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دین کو کھیل اور نہ ہب کو بلکہ سمجھ رکھا ہے۔ منہ سے کہتے ہیں کہ مرزا برحق نکیرین یہ کے ساتھ سوال وجواب کا ہوتا برحق، عذاب قبر برحق، قیامت برحق، سرے بعد پھر زندہ ہوتا برحق، رتی رتی کا حساب دینا برحق، جنت برحق، دوزخ برحق، اور کردار برحق، تھوٹمید حاضر مجھ میں تم میں قرابت کا

ایک تعلق نہ۔ اور جیسا میں نے تم سے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں حقوق اور فرائض میں اس کو اپنا فرض تعلق سمجھتا تھا کہ تمہارے فرائض کو تم پر بالا جمال ظاہر کر دوں ہو میں نے اپنا فرض ادا کیا۔

یہ کہہ کر مفتقی بھانجے سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے کہہ گیا کہ انہوں نے سید ناظر سے ملاقات نہ ہوئی انشاء اللہ پھر کسی دن آؤں گا۔ میر مفتقی نے اچھے خاصے پھر سوا پھر سید حاضر کے ساتھ با تینیں کیس اس تمام وقت میں سید حاضر کا یہ حال تھا کہ ما موموں کے منہ پر اس کی ٹکنیکی بندھی ہوئی تھی اور ہم تین گوش ہو کر ان کی باتوں میں مستقر تھا جو لفظ ما موموں کے منہ سے نکلا اس کے دل میں کالتشش فی الجبر بیٹھتا چا جاتا۔ حاضر کے کان مطلقاً ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے اس پر میر مفتقی کا بیان گویا ایک دریا بہ کہ موجیں مار رہا بہ یا ریل بہ کرنی گھٹنا سو میل کی رفتار سے دوز رہی بہ یا بھری بر سات میں ساون بھادوں کا بادل بہ کہ ائد چا آ رہا بہ۔ اور پھر با تینیں کھڑی تھی ستری جن میں ذرا لوچ نجخ نہیں دنیا کے فائدوں کے ضامن دین کی درستی کی کنیل بھلانی کی اصلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بت کی طرح چپ بیٹھا ستارہ بہ۔ اگر چ گاؤں کا کام کا تکریت تھا مگر کوئی ناگاؤں سید نگر جہاں کے پر چوئیں سا بوکاروں کے شکمی کاشنگ کر تعلقہ داروں کے جاہل مخفی لیاقت شعاروں کے اہل مقدمہ و کیل مختاروں کے کان کرتے تھے مگر مفتقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے چوں کرتے نہ بن پڑی۔

## سید حاضر کا میر مقتقی کے وعظ سے متاثر اور متنبہ ہو کر بہن کو اس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بات پر باہمی رنجش

میر مقتقی کے چلے جانے کے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا، اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس پر نظر  
کرتا تھا کسی کو دخل فساد سے اتفاق حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا۔ جن باتوں پر اس کو بڑا تاز تھا۔ اب اس کی نظر میں  
نہایت ذہبیل اور پاجی پن کی ذہبیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرا یا ہوا دلان میں ٹہل رباتھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جائزے  
کے دن اور شام کے وقت اس کو اپنے پر لپسیے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اور اور ہٹھنا اور پچھوڑنا اور ساز و سامان  
اور مال و متعہ اور لفڑ و جنس کے اپنا گوشہ پوست کوئی چیز بھی اوث حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بد کرداری اور بد معا  
ملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں ابا من جدا۔ چنان آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و ناضر دونوں باپ کے مرنے سے  
معاملات کرنے لگے تھے مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دونوں میں صد مظاہریہ ان کے نامہ اعمال پر چڑھ چکے تھے۔  
اور ان میں اکثر ایسے تھے جن کا مدارک محال تھا اور تابانی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اس کو اپنے  
وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے ان میں سے ایک معاملہ غیرت بیگم کا تھا۔ اگرچہ غیرت بیگم کے معاملے میں ابتدأ  
تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور کسی کو اس میں زیادہ اصرار بھی نہ تھا مگر پھر حاضر کا اتنا قصور تو تھا ہی کہ بڑا بھائی ہو کر اس  
نے ناظر کو سمجھایا نہیں۔ غیرت بیگم کا خیال آتا تھا کہ فراؤ گھوڑا کسو اسوار ہو کر راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا  
وستک دی۔ اگلے دن کسی مقدمے کی پیشی تھی اور ناظر آدمی رات تک گواہوں کی تعلیم اور کاغذات کی درستی میں مصروف  
تھا۔ ابھی اچھی طرح نیند بھری ہی تھی کہ بھائی کی آوازن کر چونک پڑا اور لگا پوچھنے۔

ناظر: خیر تو بے آپ ایسے سویرے کیوں کر آئے۔

حاضر: خیر بے تم باطنیاں وقیع ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو میں اپنے آئے کی وجہ بیان کروں۔ گھبرانے کی کوئی بات  
نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائیک جا ہوئے تو حاضر نے پوچھا ”چھوٹے موموں آئے ہیں تم ان سے ملے۔

ناظر: ماموں کا آتا تو مجھے معلوم ہوا اگر میں مانوں نہیں اور مانے کا ارادہ بھی نہیں۔

حاضر: کیوں

تاظر: میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کا جگہ اضورہ نکالیں گے۔ اور مجھ کو کسی طرح آپ کا حصہ دینا منظور نہیں بے فائدہ ہا تو ہی با تو ہی تکرار ہو پڑے گی۔

حاضر: کیوں بے چاری غیرت نے ایسا قصور کیا کیا ہے، کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور متروکہ پری میں عند اللہ اور عند الرسول حقدار نہیں ہے۔

حاضر کے منہ سے یہ سوال سن کر تاظر کے کان کھڑے ہو گئے۔ آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تازگی کے بھائی ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھائی تو کہتا کیا ہے کہ

تاظر: اگر ماموں کوئی نتوی کے سے لکھوا کر لائے ہوں تو اس کو اپنی قدری آئیں میں چپا کھیں ان کو شاید یہ معلوم نہ ہو گا کہ یہاں شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عمل داری بے میں نے برسوں کی جستجو میں پریوی کوئسل اور عدالت بائے عالیہ بائی کورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشنل کمشنز کے فیصلوں اور میکانائن سرہنری لا کی شرع محمدی سے وہ وہ نفائر اور احکام چھانٹ رکھے ہیں کہ اگر آپ سے جائز و اپس نہ کروں تو سید نہیں چمار۔

حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت ملے دیکھ کر نبایت استجواب کیا ہوا کیونکہ اس نے آن تک حاضر کے رو در رو ایسی شوخ

چشمی کے ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ

حاضر: تم ماموں سے ناقہ بدگمان ہوتے ہو میں ان سے ملابے شک اور وہ تعزیت کے لیے سید نگر تشریف لے گئے بلاشبہ مگر غیرت بیگم کا نام تک ان بے چارے نہیں لیا اور افسوس بنے کہ تم نے ان کی شان میں خورد ہو کر اس قدر گستاخی کی اور وہ بھی غائبانہ پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا۔

تاظر: انہوں نے آپ کا نام نہ لیا ہو گا الکن اس کا ابلیخ حسن الصراحتہ<sup>۱۷</sup> و فرض کیا میں نے گستاخی کی تو قانون نے صرف ایک ہی گستاخی کو حرم قرار دیا ہے یعنی حکم عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جب کہ وہ عدالت کا احاس کر رہا ہو اور ظاہر بنے کہ ماموں اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

تاظر کے اس جواب سے حاضر کو سید مقتی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکام ظاہر کے انتظام سے پورے طور حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید مقتی کے وعظ سے سید حاضر کے خیالات دفتراً اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں التیام کا ہونا محال تھا۔ تاظر اپنے اس پرانے موروثی ڈھرے چلتا تھا کہ قانونی گرفت بچا کر جہاں تک اور جس طرح ممکن ہوا اپنا فائدہ کرنا چاہیے۔ کسی کا حق تلف ہو تو مضافعہ نہیں، کسی کا دل دکھ تو پرواہ نہیں، عاقبت بتاہ ہو تو کچھ

حرن نہیں اور سید حاضر کو اب اس بلا کا انتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی و اتنا ف حق سمجھا، غرض یہ جو ناکرتے تھے کہ الدنیا والدین ضرستان ل۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں  
ایں خیال ست و محال ست و جنوں

اب وہ معلم ہوا کہ حقیقت میں وہ یہ دنیا بے کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حال و حرام کا اتیاز نہیں جائز و ناجائز کا فرق نہیں خدا و رسول کا خوف نہیں، روز قیامت کا اندیشہ نہیں۔ ناظر کی اتنی ہی باتوں سے حاضر کو پورا یقین ہو گیا کہ اس کو سمجھانا یا اس کے ساتھ بحث کرنا مخفف ہے سودا و رام حاصل ہے۔ اس پر تانون کی پچھلکار بے اور اس کے سر پر چڑھا ہوا بن سوار بے۔ اس لیے زیادہ روکدمانا سب نہ سمجھ کر اس نے دٹوک بات ناظر کو سنادی کہ تم اس کو ماموں کا انوغماً سمجھو یا میرا حق میں تو غیرت بیگم کا حق اب ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکھ سکتا۔

ناظر: دیکھنے ایسا کچھی گا تو مجھ سے آپ سے بگاڑ ہو جائے گا

حاضر: اگر اتنی ہی بات پر کہ میں ایک حقدار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگزو تو تمہاری خوشی اگر چہ تمہارے بگز نے کا مجھے سخت افسوس ہو گا مگر اس سے ہزار درجے زیادہ افسوس ہو گا اگر غیرت بیگم کا حق غصبہ میرے پاس رہے۔  
ناظر: یہ آپ کی خصوصیت کیا ہے۔

حاضر: خصوصیت پوچھو تو میری حقیق بہن ہے۔ مگر ایصال حق کے لیے اس کی مطلق خصوصیت نہیں انشاء اللہ سب حق داروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کروں گا۔

ناظر: تو آپ سید ہی بات یہیں کیوں نہیں کہتے کہ آپ ترک دنیا پر آ مادہ ہیں۔

حاضر: اگر مخصوص بات کا واپس کردیتا تمہارے نزدیک ترک دنیا بے تو مجھے اس سے انکار نہیں۔

ناظر: بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا بے پہلے تو میں ماموں کو موادی حاجی اور جیسا ان کا نام بتئی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تنہیر یا سحر کے بھی عامل ہیں۔

حاضر: ماموں کی شان میں تمہاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور دوسری غیبت اور دوسری اتنا ف حق ہے۔

ناظر: میں آپ کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی تباہی کے سامان ہیں۔

حاضر: جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق غصب کرنے پر موقوف ہواں کا تباہ کرنا بہتر ہے۔

ناظر: تم نے انجام کا رپر بھی نظر کر لی بے۔

حاضر: انجام کار پر نظر کرنا ہی مجھ کو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے۔

ناظر: تو آپ مجھ کو بھی اپنے ساتھ بر باد کرتے ہیں، کیسی کہی تدبیروں سے میں نے ملکیت کو درست کیا۔ اب ایک ڈھنگ پر آ جائیں تو آپ ساری عمارت کو جز بندی سے ڈھانے دیتے ہیں۔

حاضر: کیا تم نے مجھ کو مجنوں قرار دیا ہے یا مخبوط الحواس صحابہ۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ دانستہ اپنے پاؤں میں آپ کلبازی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے، فرق اتنا ہی ہے کہ اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے میں دین کا ضرر ہے اس کی طمع نہ کروں۔ اگر ایسا کرنے سے میری دنیا بر باد ہوتی ہو اور اگر مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہو تو آئے۔ جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لائق نہ کیا تو دنیاوی نقصان میں کیا پرواہ کر سکتا ہوں۔ ”ناظر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہارے فائدے کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ وہ فائدے جائز طور پر حاصل کئے جائیں غصب اور خلالم اور دغا اور فساد اور اتنا ف ح حقوق العباد کو نہ میں اپنے لیے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمہارے لیے۔

ناظر: یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ماموں نے جادو کیا۔

حاضر: اگر تمہارے زدیک یہ جادو تو بے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوات اللہ علیہ وسلم اجعین تمام اولیاء تمام انبياء تمام القیاء کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے۔ اس کا استعمال بزرگان دین کے حق میں میرے زدیک تو درست نہیں۔

ناظر: اچھا تو ایک کام کیجئے آپ اپنے حصے کا بٹوار کر لیجئے اور علیحدہ ہو جائیے۔

حاضر: میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا مگر اس صورت میں مشکل یہ ہے کہ جب تک تمام ملکیت تمام مظالم سے پاک نہ ہو میں اس میں سے حصہ نہیں سکتا۔

ناظر: آپ نے ساری ملکیت کا تھیکانہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب کی رو سے حصہ پر ری میں سے جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں الگ کر لیجئے۔

حاضر: والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمہارا اور غیرت نیگم تینوں کا نام لکھا جانا چاہیے۔ للذکر مثل حط الانشیں ۷۔ ہم دونوں نے تحقیق اور تراویبہن کو محروم کر کے اپنے ہی نام چڑھوائے تو نصف ہم دونوں کا ہوا پس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے۔ اس میں بھی تو غیرت نیگم کا ایک عشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔

ناظر: آپ بتوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خس ہوتا ہے۔ اسی قدر کامیں ہو ارہ چاہتا ہوں۔ حاکم آپ کی درخواست تصدیق کر کے آپ کے دو خس کا بٹوارہ کر دے گا۔

حاضر: تو غیرت بیگم کا یہ ایک عشر بھی تمہاری طرف منتقل ہو جائے گا اور اس کے یہ معنی ہیں کہ میں غیرت بیگم کا ایک عشر جو میرے نام بنے تمہارے نام منتقل کر دوں۔

ناظر: خیر معنے مطلب تو میں سمجھتا نہیں۔ ایک راہ کی بات جو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو مجھ سے پر خاش نہیں بے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھئے اور پیش حاکم اس کو چل کر تصدیق کرائیے باقی مراتب میں دیجئے بھال اوس گا آپ کو وہی دوخس ملے گا جو آپ چاہتے ہیں۔

حاضر: غیرت بیگم کا ایک عشر میں تمہارے نام تو منتقل نہیں کر سکتا وہ بھی ناجائز ہے حقدار کو تو اس کا حق نہ ملا بابا اگر کہ تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھ دوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اس میں دو خس میرا بے اور ایک عشر غیرت بیگم کا۔

ناظر: اس میں تو میری نصیفی میں فتوڑ پڑے گا۔

حاضر: پڑے گا تو تم جانو میرے اختیار کی بات نہیں۔ ”ناظر“ آپ کے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضائے دین داری نہیں بے بلکہ ماموں کے سب فساد ہیں۔

حاضر: تم بار بار ہر پھر کر ماموں کو ان کی پیٹھی پیچھے برائی کرتے جاتے ہو مجھ کو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے تم سے کہا کہ ماموں نے غیرت بیگم کا نام تک نہیں لیا اور تم نے میرے کہنے کو سچ نہ جانا، فرض کرو ماموں ہی نے مجھ کو غیرت بیگم کا حق مقصود واپس کر دینے پر آمادہ کیا تو احقاق حق میں کوشش کرنا فساد ہے!

ناظر: (یہ کہہ کر انہوں کھڑا ہوا) بہت خوب معلوم ہوا۔ آپ آپ کو ان کا حصہ دیجئے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ میں اگر ان سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھائی کی خواہد میں لگے ہیں مجھ کو معلوم ہے، بتایا بھائی کو انہوں نے دیجئے پایا ہے بھوا، بیوقوف۔ چاہتے ہیں کہ بھائی کے نام سے جو بڑے ماموں کی تمام املاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (مونچھوں پر تاؤ دے کر) اگر ناظر کے دم میں دم بے تو ماموں کو ایسا مزا کچھا ہوں کہ سات برس بعد تو جس سے پھر کر آنا نصیب ہوا اب ان کو بھرت ہی کرنی پڑے تو۔ ہی۔ آپ کا حصہ ایسا کیا پس کھیل بے۔

حاضر بے چارہ اپنا سامنہ لے کر سید نگر واپس آ گیا۔ نمگین اداں، کیا خدا کی شان بے، کر کل شاموں شام سید مقنی کے وعظ سے حاضر متنبہ ہوا تو بہ کی تباہی مافات پر آمادہ ہوا رات بھاگ ہوا بھائی کے پاس آیا۔ ابھی جی کھول کر بھائی سے با تین نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پڑا اگیا وہ خوب و اتفاق تھا کہ ناظر ایک سانپ بے۔ اس بالا کا زہر یا ما کہ اس کا کامان پانی نہ مانگے۔ اس کا ڈس اس ہوا پھٹکارنہ کھائے، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناظر اگر گزر اور اب اس کے گزر نے میں

کسر ہی کیا باقی تھی تو کیسی زمینداری اور کس کی حصہ داری گاؤں کا رہنا دشوار کر دے گا۔ اور اس کے ہاتھوں سے زندگی  
وابال دوش ہو جائے گی۔ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے آپ کو سمجھا تا تھا کہ تجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضروری  
بے۔ اگر وہ غیرت نیگم کا حصہ نہیں دیتا تو نہ ہے وہ جانے اور اس کا کام جانے، اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا۔ غیرت نیگم کا حصہ  
ایسا ہو گا تو آپ سے آپ ناش کریں گے۔ ہر کے مصلحت خویش نکوے داند۔ میری طرف سے اتنا ہی کافی ہے کہ ابھی  
سے غیرت نیگم کے حصے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر ناش ہو تو دعوی کی تردید نہ کروں۔ پھر سوچتا تھا کہ اب تک  
غیرت نیگم حصے سے بے دخل رہیں۔ اس کا وابال جیسا ناظر پر ویسا مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم کیونکہ میں پٹی کا نمبر دار ہوں اور  
پٹی کی تفصیل کی وصولی میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونوں بھائی تو بے  
زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور غیرت نیگم کو ناش کرنے پر مجبور کریں صرف اس وجہ سے کہ دعورت ہے پر دشیں اور  
کوئی اس کے حق کی حفاظت کرنے والا نہیں، دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور ماں کہ میں  
غیرت نیگم کے حصے سے دست بردار ہو بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے لیا نہ ناظر کو لینے دیا۔ غیرت نیگم کو تو اس کا حق  
پہنچا۔ علاوہ ازیں آتن تک تو ایک غیرت نیگم کا معاملہ ہے اس میں یہ جنت بے ابھی تو ایسے صد بامعا ملنکھیں گے، غرباً  
کے ضفقاء کے اور ایسے لوگوں کے جن کو سوا خدا کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشاء تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوائے قانون کے خدا  
اور رسول کسی سے ڈرنے دبنے والا نہیں تو کہرے کی ماں کب تک خیر مانتے گی۔ بھائی سے تو ایک نہ ایک دن بھگڑے گا  
ہی۔ اور آن اگر غیرت نیگم کے معاملے میں میں نے ذرا بھی اپنا نصف ضعف ظاہر کیا پھر تو ناظر کی جیت بے۔ غرض یہ  
تزاں ل تو ٹھیک نہیں بلکہ وہ سو شیطانی ہے۔

## سید حاضر نے بتقاضاۓ دینداری علی الرغم

### الف سیدنا ظرستے اپنی بہن کو اس کا حق دلایا

ایسے اتنا اے کے وقت میں خدا نے حاضر کی مدد کی۔ اس کو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس سادہ شامپ کا ایک بستہ ب۔ آخر ڈھونڈ سے ملا۔ کھول کر دیکھا ب تو اس میں پرانے پچھلے سنوں کے متعدد قطعات ہیں، سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادہ فاسد سے ان کو بہم پہنچایا ہے۔ اس نے انھیں کا ایک جو قطعہ نیا سادہ بیچہ کرو لے لیا اور باقی اس فساد کی پوٹ کو چوڑھے میں جھونک دیا جو قطعہ اس نے نکال لیا تھا، اس پر ایک درخواست لکھی جس کی عبارت یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سیدنا ظراور غیرت بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں، غیرت بیگم کا نام پٹی داری میں داخل ہونے سے رو گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ب۔ غیرت بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اس لیے غیرت بیگم کا نام ایک خس حصے پر چڑھا دیا جائے۔ اور اسی وقت درخواست کو جائزی کر اکر حاکم پر گز کے نام رو انہ کر دیا۔ وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار جاری ہوا۔ اشتہار کا آنا تھا کہ سیدنا ظرستے غدرداری کا مقدمہ لڑنا شروع کیا۔ ملکشیری میں تو سرسری کا رواوی ہوتی ب۔ اور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ نمبردار پٹی نے جس کے ہاتھ سے پٹی کی تحصیل وصول ہوتی تھی غیرت بیگم کے قبضے کی تصدیق کی۔ اس سبب سے ناظر کی غدرداری نامنظور اور غیرت بیگم کا نام ایک خس پر داخل ہونے کا حکم ہو گیا مگر سیدنا ظرستے ملکشیری کو کیا مال کو کچھ سمجھتا تھا۔ جس وقت داخل خارج کا حکم پہنچا تو اس کے مقابلے تسمی کے طور پر اس سے کہا کہ نمبردار کے بیان مجرد پر حکم ہو گیا ہے۔ یہ حاکم کی رائے ب۔ اپیل کی بڑی گنجائش ب۔ ناظر نے کہا ارے میاں کہاں کی اپیل اور کس کا مرافقہ کل تو نہیں پرسوں تم کو والد کا تحریری و صیت نامہ لا کر دیتا ہوں۔ اس کی بنیاد پر اثبات حقیقت کا دعویٰ (خاک از تو دو کالاں بردار) دیوانی میں دائر کرو تو نمبردار کی ساری یقینی کر کری ہو جائے گی۔ ناظر و صیت نامہ لینے کھر دوڑا ہوا آیا اور اسامپ کے بستے کی تاش میں سیدھا کوٹھری میں گھسا بستہ ندار داں کا ماتھا ٹھنکا، معلوم ہوا کہ ایک بستے تو بڑے میاں کوئی ڈیرہ مہینہ ہوا جا پکے ہیں۔ یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ حاضر ناظر کا جگڑا ہمارے قصے سے متعلق نہیں ب۔ خلاصہ یہ کہ دونوں بھائیوں میں ایسی چلی ایسی چلی کہ سید نگروالوں میں بھی جو سنتا دانتوں میں انگلی رکھ لیتا تھا تاعدہ ب۔ کہ آئے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ سید حاضر کے ساتھ غیرت بیگم اور غیرت بیگم کی لپیٹ میں سید منقی کی بھی شامت آئی۔

## سید ناظر کے فسادات، میر منتqi کی نسبت عرضی گم نام

### میر منتqi کے سمجھانے سے اصلاح ذات الہیں کا ہونا

ناظر کو شروع میں صرف ان پر اصرار تھا کہ غیرت بیگم کو حوصلہ نہ دوں۔ شامپ کے بستہ کو جانا سن کرو وہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اس نے دیوانی میں سالم حقیقت پدری کا دعویٰ دائر کیا۔ اس بیان سے نہ حاضر میر باقر کا بیٹا بے اور نہ غیرت بیگم میر باقر کی بیٹی۔ اس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر لے پا لک کے طور پر حاضر کی پروش اور پرداخت کرنے لگے اور اس بیان کی تائید میں شامپ کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جس پر میر باقر کی مہر تھی اور اس کا سواد خط بھی میر صاحب کے خط سے مشابہ میر منتqi کی نسبت ایک گم نام عرضی لیفٹیننٹ میں پچھل کہ سلطان روم کی طرف سے جاسوس بن کر آئے ہیں اور لوگوں کو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عنقریب ہندو مسلمانوں میں ان کے انگواء سے فساد عظیم ہونے والا بتے۔

سید حاضر کو جب دیوانی کے دعویٰ کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعویٰ کی نقل لے کر سید منتqi کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ سید منتqi کو اس وقت تک داخل خارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا اور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے، حاضر نے پاس آ کر ناظر کی عرضی دعویٰ کی نقل دکھائی تو انا اللہ وَا إِلَيْهِ رَاجُونَ کہ کرا یسے سنائے میں گئے کہ بہت دیر ہو گئی اور برایا بھلا کوئی بھی لحظہ مدد سے نہ کالا تو حاضر نے خود ابتدا کی اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ میں تو اپنے میں ناظر کے مقابلہ کی طاقت نہیں پاتا تھا عزت کو، آبرو کو، سچائی کو دین کو، ایمان کو، خوف خدا کو، سب کو۔ ایک دم سے بالائے طاق رکھ دوں تو ناظر کے ساتھ لڑنے کا تام الوں اور یہ مجھ سے اب نہیں ہو سکتا، ہر چند رہ رہ کر غصہ آتا ہے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مرد کو اسی قانون سے جس پر اس کو بڑا گھمنڈ بے اس کے کیے کی ایسی سزا دلوں گا۔ ساری عمر اس کو قید سے نجات نہ ہو اور اس کی تدبیریں سمجھ میں آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں۔ ناظر کتنا ہی تقدیرہ دان اور رضا باطھ شناس کیوں نہ ہو۔ آخر بتو مجھ سے چھوٹا لیکن آپ کے ارشاد کے مطابق میں خدا سے عبد کر چکا ہوں کہ دنیا کے لیے دین کو نہیں بگاڑوں گا۔ اب دنیا میں ایک فضیلت نہیں ہزار فضیلت اور ایک نقشان نہیں ہزار نقشان کیوں نہ ہو جائیں۔ اس عبد کو تو میں توڑنیں سکتا مگر ناظر کے حملے سے بچنے کے لیے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ میر غالب کو تو آپ جانتے ہوں گے وہ

بھی ان دونوں سیدنگر کے بڑے چلتے ہوئے پرزوں میں ہیں۔ سیدنگر خاص میں ان کا بھی تھوڑا حصہ ہے۔ ان کی وکالت آن کل بڑے زوروں پر ہے۔ چند روز ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی حصہ بکتا ہو تو مجھ کو خبر کرنا تو میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ اپنا حصہ ان کے ہاتھ فروخت کر دوں جو اب تر کی وہ نظر سے سمجھ یوجہ لیں گے۔ اتنا ہی خیال ہے کہ گاؤں میں حصہ بت تو عالیاً پر سو طرح کی حکومت بے مگر جس طرز پر مجھ کو آئندہ زندگی گزارنی منظور ہے اس کے لیے مجھے حکومت درکار نہیں۔ آپ سے اتنی بات پوچھنی تھی کہ اگر آپ کی صلاح ہو تو غیرت بیگم کے حصے کی بھی بات چیت میر غالب سے کی جائے، میں نہیں سمجھتا کہ غیرت بیگم کو ناظر چین لینے دے گا۔ یہ سن کر میر متنقی نے کہا کہ ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ قرابت کے اقبال سے بھی تم نزدیک تر ہو اور تمہارے معاملے کی سچائی کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ تم نے بے فریاد بے ناش غیرت بیگم کو اس کا حق دیا اور دلوایا اور بالکل حق کے واسطے تم نے بھائی سے بگاڑی اور اس بگاڑ کے منانج کی پہن قسط یہ عرضی ہے جو تم نے مجھ کو دکھائی۔ خدا حق ہے اور وہ حق سے راضی ہوتا ہے اور ہی حقداروں کی جماہت کرنے والا ہے۔ اور انشاء اللہ آخوند حق کو نگاہ بے الحق یعنی اس بات میں تم اپنی بہن سے مشورہ کرولیکن اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شروع سے تم نے نسلی کی۔ تم نے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرتا چاہتے ہو جو دنیا میں سمجھی راست معاملہ کیا کرتے ہیں اور بلاشبہ شرع کی رو سے تم پر کوئی انعام نہیں مگر الزام کے عائد نہ ہونے سے تم کسی تحسین کے بھی حقدار نہیں۔ تم کو اور غیرت بیگم دونوں کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر کرسکوتو اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کوئی بڑی مالیت نہ۔ خدا نے تم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، ناظر کو موروثی کچوانیاں مبارک۔ لے کر وہی بڑے آدمی نہیں آخوند بھی تو کوئی غیر نہیں، سچی کہاں گیا کچھڑی میں۔ تین بہن بھائیوں کے پاس نہ رہا، ایک کے پاس رہا۔ بلاشبہ حصہ گو کتنا ہی جزوی کیوں نہ ہو چھوڑنا مشکل ہے۔ خصوصاً جب کہ موروثی ہو اور اسی گاؤں کا ہو۔ جس میں رہنا سہنا ہے اور چھوڑنا بھی اس حالت میں کہ گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ چکی ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدوس نذیلت کے اس کا سنبھالنا ممکن نہیں۔ حصہ منتقل کر دینے کی تجویز جو تم نے سوچی ہے۔ صرف میں سمجھوئی ہے۔ آخر اس کی تحقیقات ہو گی ہی۔ تمہارے مقابلے میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونوں میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی بے یا نہیں ہو جیسا کہ ناظر نے عرضی دعویٰ میں لکھا ہے۔ اگرچہ کامل یقین بے کہ آخر کار تم کو ناظر کے مقابلے میں ظفر ہو گی لیکن پھر بھی بھیش کے لیے وہ تم سے چھوٹ جائے گا اور تم اس سے اور مدت ا عمر تم کو بناہمی خرڅوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں بتاتا ہوں اس کا انجام جہاں تک میری سمجھ میں آتا ہے انشاء اللہ یہی ہوتا ہے کہ حصے کا حصہ تمہارے پاس رہ گا اور تم بھائی بہن پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کرو کہ ناظر نے کل حصہ لیا مگر اس طرح کہ وہ یہاں چاہتا ہے یعنی چھوٹ بول کر جعلی بن کر بھائی بہن کو ماں کو باپ کو یعنی اپنے آپ کو

رسا اور فتحیت کرنا کیسا صاف صاف گالیاں دے کر تو ناظر یہ حصہ لے کر تمام کو تو خیر چھوڑ بھی دے گا مگر کیا یوں بچے رشتہ دار کنہہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا جان پہچان ایک دم ساری دنیا کو چھوڑ دے گا۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا مگر سمجھتے ہو کہ دنیا اس کو کیا کہے گی۔ اعتنت کرے گی۔ یگانے اور بے گانے سب اس کے منہ پر تھوکیں گے۔ لڑکے اس کے پیچے تالیاں پیشیں گے۔ سب کی نظروں میں وہ خوار اور بے اعتبار گوا اور انگشت نما ہو گا۔ وہ دیوالا اور کوچہ و بازار سے اس پر پھٹکا رہ رہے گی۔ یہ حصہ ڈھاک کے کوئی ایک دہلتا ہوا انگرد ہو گا کہ وہ ہرگز اس کو مٹھی میں سن جمال نہ سکے گا۔ مشکل سے مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار و کیل کے کہنے پر عمل کرتے ہو۔ اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چل کر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ خدا کی صلاح کیا ہے۔ ادنیٰ ہاتھی ہی حسن فاذ الذی بینک عداوة کانہ ولی حمیم یعنی اگر تجھ سے کوئی اڑائی کرے تو بھائی کے ساتھ اس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کر یا تو تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرم جوشی کرنے لگا۔ حقیقت میں جیسی میر مقنی نے پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا۔ حاضر اور غیرت بیگم کی طرف سے ناظر کے دعوئی کی کچھ تدید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعوئی یک طرفہ ڈگری ہو گیا۔ مگر کیسی ڈگری کے حاکم اور عملے اور اہل معاملہ اور چیز اتنی اور مدد کو ری سمجھی نے تو ناظر کو ملامت کی۔ جہاں گیا اس نے لتاڑ اور جس سے ما اس نے تھیڑا اور آخوند کارہار کر جھک مار کر کانک کا یہکہ ماتھے پر لگا کر جس قدر گالیاں تقدیر میں تھیں سن کر جتنی بد نامی مقدر میں تھی بھگت کر بحد منت و بہزاد اخو شامد ہاتھ چوڑ کر پاؤں پڑ کر وہی دو خس حصہ حاضر کو اور وہی ایک خس غیرت بیگم کو دیا اور ساری عمر کے لیے ناقص بیٹھے بھائی بہن کو کنونڈ اجنبیا پر اسوا الگ۔

میر مفتی کا بتایا کوسمجھانا اور

## اس کی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پہلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ غیرت بیگم کے جتنے معاملات تھے، سبھی تو خدا نے میر مفتی کے باٹھ سے درست کرائے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کرنے لڑائی نہ بھگڑا نہ قسہ نہ فساد نہ غل نہ شور تجوہ ایں بھی جاری ہو گئیں مکاتات اور دکاتات کا بھی انتظام ہو گیا تا ظریحی موزی کے پنج سے حصہ زمینداری بھی چھٹا جس کے چھوٹنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ مگر ابھی غیرت بیگم کا سب سے بڑا معاملہ باقی تھا یعنی اس کے شوہر بتایا کی اصلاح اس کی آوارگی کا علاج اس کی بدوضی کی روک تھام عورت جب بیا ہی گئی تو میاں ہی سے اس کا آرام میاں ہی اس کا عیش اور میاں ہی سے تو قیرب اور میاں ہی سے اس کا اعزاز و احترام۔ آپس میں پیارا خاص ہوتے دنیا کی ساری مصیبیں جھیل جاسکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبت نہیں پہنچنے میں مزدہ اور کھانے میں لذت نہیں دل میں امنگ نہیں سکھمار میں بھار نہیں پھولوں میں باس نہیں، مہندی میں رنگ نہیں۔ میر مفتی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر بتایا کے بارے میں ان کو بڑی مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ ان میں اور بتایا میں کئی سبب سے اختلاط اور واشدگی کا ہونا ممکن نہ تھا۔ اول تو رشتہ کہ میر مفتی بتایا کے بچا باپ کی جگہ۔ دوسرا نہر کی بڑائی چھٹائی کیاں میر مفتی پچاس پچپن برس کے بوڑھے اور کباں بتایا میں برس کا پٹھا۔ تیرے بتایا کے ہوش میں میر مفتی کو دیکھی آت ہوئے یہ تیرا پھیرا تھا ایسی صورت میں انہیں تو ہونی ہی چاہیے۔ چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک کو دوسرا سے مطلق مناسبت نہیں، پس حال یہ تھا کہ میر مفتی مردانے میں ہیں تو بتایا زنان خانے میں قدم رکھا اور بتایا آہٹ پاتے جبٹ باہر نکل آتا۔ رات دن میں صرف دوبارہ بچا بنتجہ بے ضرورت کھانے کے لیے دستر خوان پر جمع ہوتے تھے۔ وہ بھی کس طرح کہ بتایا نے بچا کے سامنے جانے کے لیے ٹوپی اور کپڑے اور جوئی سب چیزیں سادا اور بھلے مانسوں کے استعمال کی الگ کر کھی تھیں۔ کھانے کے لیے ٹلنی آئی اور اس نے جلدی رگڑ رگڑ کر منہ دھویا، موجودوں کو نہن پر سارا دن ماش رہتی تھی بل زکال کر سیدھا کیا، پیوں کو ابھارا، باولوں کی سچ دھن کو بکاڑا، کھانے کے نہیں بچا کے سامنے جانے کے کپڑے پہنے اور گردہ مسکین بن کر جھکے ہوئے پنچ نظر مودب دستر خوان پر جائیٹھے پھر میر مفتی کا کھانا کوئی انگریزی ڈرزو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانے والے تھے۔ اپنی اپنی کرسیوں پر چڑھنے لگے۔ دنیا بھر کی بکاؤں شروع ہوئی اور یہ بھی نہیں کہ کھانے کے شمن میں باقی کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں بکوکہ باقیوں کے شمن میں

کھانا بھی کھاتے جاتے ہیں۔ میر متنی مولوی آدمی دور سے کھانا آتا ہوا دیکھ کر کسی شغل میں ہوں، چپوڑا چھاڑ پہنچوں تک  
باتھ دھو۔ اسم اللہ الرحمن الرحيم کبھی کراکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اس کو بھی عبادت سمجھ کر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے  
کوئی ادب منزوہ کب نہ ہو۔ پس ان کے دستِ خوان پر باتِ چیت کا کیا موقع میر متنی مستحب جعل کہ کم کھاؤں بتا۔ منتظر کے اٹھ  
جاوں الغرض ایسا کوئی موقع ہی نہیں بن پڑتا تھا کہ پچا ہتھیجے میں جی کھول کر باتیں ہوں مگر میر متنی بالا کے تازنے والے  
تھے۔ انہوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں بتا کی حرکات و مکانات سے اس کی نشت و برخاست سے اس کی طرزِ عادت سے  
انتاجان لیا اور ایسا پہچان لیا کہ بتا کے لگوٹے یا را در اس کے بھیدی اور رازِ دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے۔ بتا اگرچہ ان  
کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کرنے رہتا تھا مگر اس دن کے لیے کہتے ہیں کہ آدمی بری لٹ نہ ڈالے اور عادت کو بگز نے  
ندے، بتا کو خبر تک نہ ہوتی تھی اور بے خیال میں آبداء کر پچا کے سامنے اس سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی کہ ہر  
روزانہ کی نظروں میں اس کی قاعی کھلتوں رہتی تھی مثلاً بیٹھے بھائے خود بالوں پر باتھ جا پڑا اور عادت کے مطابق لگاؤ ہیں پیاس  
جمانے پھر جو ہوش آیا پچا کو کن انگھیوں سے دیکھ جانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑا سیدھا ہو بیٹھا یا کھاتے ایک  
مرتبہ انگر کھے کی چوپان کے شکن نکالے لگا تون کرینے کو دیکھنے اتنے میں پچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے پھر جمک کر ہو بیٹھا  
۔ ایک مرتبہ تو اس نے کیا غصب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق تھا کہ آپ ہی آپ لگانے نے مگر میر متنی نے اس  
کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی نہیں۔ بتا اپنے دل کو یوں سمجھا یا کرتا تھا کہ پچانے دھیان نہیں کیا اگر کیا تو آدمی سے  
ایسی غور کرتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ اتنی ہی بات سے ان کا ذہن اس طرف کیوں منتقل ہونے لگا کہ پیاس جمانا یا اکڑنا یا گانا  
میری عادت بے لیکن یا اس کی غلطی تھی میر متنی کی آنکھ کبھی کسی چیز پر اچھتی ہوئی پڑی ہی نہ تھی وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ  
لیتے۔ اس کی تک پہنچ جاتے اور اس کے لمبے کو دریافت کرتے، میر متنی نے بتا کی حرکات سے آخر یہ استنباط کیا کہ اس میں

دونیب بہت بڑے ہیں، اول یہ نہ بہب سے اس کو مطلق سروکار نہیں، یہ جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز بے اور آدمی اس کے  
بندے ہیں، اس کو خیر ہی نہیں کہ آدمی کو کھانے اور سورہنے کے سواد نیا میں پکھا اور بھی کرنا بے۔ دوسرا ہے حسن پرستی اس کے  
مزدیک دولت، شرافت، حسب نسب، علم، بذریعہ، اخلاق، دین داری غرض دنیا کے نارے کمالات، یعنی ہیں۔ صرف ایک  
حسن صورت قابل قدر بے۔ اور بس، میر متنی کا ایک قادر دا اور بھی تھا کہ بڑے دھینے آدمی تھے۔ جب کسی خاص شخص کو  
نصیحت کرنا منظور ہوتا تو مدتؤں اس کے حالات کی تفہیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر کھلتے جس قدر معلوم کرنے کی  
ضرورت تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرائے سے اور کیسے وقت اس کو نصیحت کروں کہ موثر ہو اور یہی سب تھا کہ ان کی  
نصیحت کبھی خانگی ہی نہیں۔ اگر ایک شخص تارک الصلاۃ ہے اور انہوں نے اس کو نماز کے لیے نصیحت کی تو پھر سفر یا مرشد

دنیا کی کوئی کسی ہی ضرورت کیوں نہ ہواں نے مدت العمر نماز کو قضا نہیں ہونے دیا یا اگر کوئی شخص منہیات شرعی میں کسی کا مرتبہ بے اور انہوں نے واعظ کہا تو پھر توہ ہی کرا کے چھوڑا۔ غرض میر مقنی نے ایک دن موئی پا کر جوں ہی بتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا تھا اس کو روکا اور کہا کہ ذرا خبر و مجھ کو تم سے کچھ کہنا بے۔ بتلا سمجھا کہ آن نماز گلے پڑی بیٹھ گیا تو میر مقنی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجھ کو تمہارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر جس قدر معلوم ہیں ان سے میرا خیال یہ ہے کہ تمہاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی، تمہاری تعلیم کا عمدہ حصہ وہ بے جو مدرس میں ہو اور مدرسے کی تعلیم اس اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں باشبہ مفید ہیں مگر افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا مذہب کو سلسلہ درس سے اس طرح نکال کر بچینک دیا ہے جیسے دو دھنے سے لکھی جس سے لوگوں پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک فنول اور الیعنی چیز ہے اور دنیا میں اس کی مطابق ضرورت نہیں۔ پس مدرسون کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل فضیلت کے خطاب اور لیاقت کی سندیں لے کر مدرسون سے نکتے ہیں۔ ان کو تمام ملکوں کی نئی و پرانی تاریخیں خوب مسح پڑھتی ہیں۔ جغرانیے میں شاید ان کی معلومات اس درجہ کی ہوں کہ مندرجہ کی مچھلی ہیں یا پیارڈی کوے یا افریقہ کے ریچھ یا آسٹریلیا کے لنگور یا امریکہ کے بن مانس یا تبت کے دنبے تا تار کے مینڈ ہے یا عرب کے بد ویا یورپ کے فرنگی یا ہندوستان کے بھیل وہ انگریزی شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا ان کی ما دری زبان ہے۔ ریاضی میں وہ شاید وقت کے بظیلوں ہوں، علم بیعت میں وہ اپنے زمانہ کے فیٹا غورث، فلسفے میں افلاطون غرض ان میں علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہو گی کہ شاید ان کی نظر نہ ہو مگر وہ نہ مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسول کی امت نہ بادشاہ کی رعیت نہ باپ کے بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے دوست، نقوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک نہ وضع کے پابند نہ رسم کے مقلد۔ ذرا نظر انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی الحقیقت مدرسے کی تعلیم میں ایسے خیالات پیدا کرنے کا رجحان ہے یا نہیں ہے اور ضرور بے اور اس کا سب طاہر بے کہ مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں۔ اپنے اپنے عقائد سے سب کے سب بے خبر عروں کے تقاضے یہ کہ جہاں اور جسی کی باتیں کرتے ہیں ان میں ایک مذہب کا استھناف بھی ہیں اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہ ہو۔ مدرسے کے حاکم یا مدرس کچھ مذہب کی پروا کرتے ہیں ایک مذہب کے طالب علموں کے لیے سب کیونکہ ان کا فرض خدمت نہیں اپنے لیے بھی بعض یا اکثر اس لیے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں۔ وظیفہ یا انعام یا درسرے موبیمات ترغیب مذہب پر کسی کا انعام نہیں۔ علوم جو پڑھاتے جاتے ہیں اکثر جدید زمانہ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں معتقد میں کی خلطی جس میں سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جائے اور ایک بڑی خرابی آ کر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں ہیں تو علوم دنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلت یا بے مبالاتی سے داخل مذہب سے ہیں

کوئے معلوم ہوتا بے کران کے باپ دادا جو نہ ہبأ۔۔۔ ایسی انفو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے زے حمق تھے اور ان کا نہ ہب، ہی سراسر یقین اور پوچھتے ایک خرابی اور بے اور علوم جدیدہ جن کامداریں میں بڑا زور و شور بنے، سب ہیں از قسم بدیہات مشاہدات پر مبنی اور تجربات پر متفرغ۔ ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب علموں کو اس بات کی عادت پڑھاتی بے کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈنے لگتے ہیں جیسے افلایدس کے دعوؤں کا۔ ایک مذہبی باتوں کے لیے ایسا ثبوت نہ ہوا بے اور نہ ہونا ممکن بے۔ حضرت موسیٰ سے بھی بیہودا ایسی ہی بے جافر ماٹشیں کرتے تھے۔ لن یہ ممن لکھتی نہیں اللہ جیہرہ ہم تم جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیجیے لیں تجھ پر ایمان لانے والے ہیں تو نہیں لیکن مذہب کی وجہ سے نہیں بے، بلکہ انسان کی ضعف خاقت کے سبب۔ کیا اگر موسیٰ خدا کا دیدار بیہودہ کوئی دکھا سکتے تو اس سے لازم آگیا کہ خدا نہیں بے۔ نہیں خدا تو بے مگر وہ آدمی کی آنکھوں میں آنے کی چیز نہیں بے۔ مدارس کی تعلیم بلکہ حق پوچھو تو عمل داری کا خلاصہ بے، آزادی بالاشہہ آزادی ہر ایک فرد بشر کا ایک ضروری حق بے مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہوتی ضرور بے آدمی کی بناوٹ اس طرح کی داشت ہوئی بے اور آدمی فی حد ذات اس طرح کی مخلوق بے کہ آزادی مطلق تو اس کو حاصل ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ کیا آزاد ہو سکتا بے وہ بندہ ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں، غیر وہ کھتمان۔ دوسروں کا دست گلر پہننے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں جینے میں چند منٹ کے لیے ہوانہ ملے تو بلاک۔ ایک وقت خاص تک غذا نہ پہنچ تو فناڑا کے کی دھوپ کا خوش نہیں کڑا کے کی سردی کی رداشت نہیں۔ حالت تو اس قدر رخشد و خراب اور اس پر آزادی کا سرخاب وہی مثل بے۔ جھونپڑے کا رہنا اور مخلوں کے خواب۔

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پاہ گل  
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال بے آزاد کا

میں اس میں بڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا۔ سارا قصور ان کی تعلیم و تربیت کا بے۔ گھری جو تمہاری جیب میں بے اس میں نہ اولاد کی ایک کمانی کنڈلی کے طور پر تکی ہوئی موجود بے۔ کنجی کے زور سے کمانی کی تھوں کو خوب کس دیتے ہیں، اسی کو کونا کہتے ہیں۔ کوئے سے کمانی میں ایک قوت پیدا ہوتی بے۔ کمانی چاہتی بے کہ کھلے اور اپنی اصل حالت پر عودہ کرائے۔ اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سڑ سے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوت جو اس میں پیدا کی گئی تھی اکارت ہو۔ اس کے روکنے کے لیے گھری میں ایک پر زدہ گایا جاتا بے۔ جس کا نام بے ریگولیر اور اس قوت سے وقت کی شاخت کا میلخندہ کام لیا جاتا بے، یہی حال بے انسان کا کہ اس میں بھی ایک حالت کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر ان قوتوں کا کوئی روکنے والا ریگولیر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونے کے لئے مضر۔ انسان کا ریگولیر بے مذہب جو اس

کو انداز و مناسب اور حد احتدال سے گھٹنے بڑھنے کرنے ابھر نے نہیں دیتا۔ مدرسوں کی تعلیم کوک بے اور ریگو لیٹر ندارد۔ پس اس کا ضروری نتیجہ بے کر آزادی کا خیال دل میں ساتے ہی اونگ ہر طرح کی قیود سے نکلنے کی خواہش کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ قید عبودیت سے بھی سرے سے مدرسے کی تعلیم کے اصول ہی غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے پڑھادینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو یہ بات ہمکی بے کہ دنیا اور دین دوچیزیں ہیں، جدا گانہ ایک کو دوسرا سے کچھ تعلق نہیں، ہم نہیں جانتے کہ جو اونگ ایسا خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل دین کے نزدیک دین کے معنے ہیں، انسان کی اصلاح اور اس کے دو حصے ہیں، اصلاح معاش اور اصلاح معاد، پس دین اور دنیا میں اگر ایک طرح کی منطقی مفارکت بے جیسے عموماً کل و جزا میں ہو اکرتی ہے۔ اس کو تباہی یا تناقض یا تنافر یا بے تعلقی سے تعسیر کرنا مفاظتہ ہی ہے۔ کتنا ہی پڑھاؤ جب انسان میں دین نہیں دیانت نہیں اس پر بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا بنے تو اس دنیا کو خیر باد بے اور اس دنیا کو سلام ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے کی بے کہ انسان کو دوسرا سے حیوات سے ایک وجہ اتیاز یہ بھی ہے کہ حیوانات کو جتنی عتمل دی گئی بے نظری ہے۔ تجربے یا امتداد اور سے اس میں ترقی نہیں ہوئی مثلاً بیا گھونسا بناتا ہے کیسا عمدہ کہ انسان اس کی اگر پوری پوری نقل کرنا چاہتے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسا ایک بدھا بیا بناتا ہے جو اپنی عمر میں شاید نہیں پچھس گھونسلے بنا چکا ہوگا۔ بخشنہ ویسا ہی گھونسا اپنی بارا یک نوجوان بیا بنائے گا برخلاف انسان کے کہ اس کی عتمل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی جاتی ہے۔ اس مضمون کو سعدی نے کیا تسلی دل طور پر ادا کیا ہے:

مرنک از بیضہ بروں آیو روڈی طلب  
آدمی زادہ نہ دارد خرد و عقل و تجزیہ  
آن بنا گاہ کے گشت و پھیزے نہ رسید  
ویں بہ تمکین و نظمیت بہ نشت از بھہ چیز

اس لیے انسان کی تعلیم و تربیت کا مقاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اس کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں، مثلاً غیر ملک کی بولی ضرور بے کہ پچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے ٹوٹتی ہے۔ چھوٹے بچے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو ہمی لا حاصل ہے۔ اسی طرح دین کی تعلیم کے لیے بھی ایک وقت مناسب ہوتا چاہیے اور وہ نہیں ہو مگر سن طفویل کیونکہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر فطرت سے دور اور اس کا دل اوث دنیا سے آلوہ اور زنگ اغراض سے نیڑہ ہوتا چا جاتا ہے۔ پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اس کے دل میں صبغت اللہ یعنی دین کے رنگ اٹھانے کی تابیت باقی نہ رہے نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا۔ اسی حالت کی نسبت قرآن مجید

میں فرمایا بے۔ کلا بل دن علی قلوبہم ما کانو ایکسیون اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر ان کی بد کرداریاں جم گئیں ہیں۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف سے مطلق توجہ نہیں۔ مگر بے تو جنی دو طور کی ہے۔ ایک وہ جس کا سبب کامل اور غنیمت اور مبالغت ہو دوسرا وہ جو دین کے اختلاف سے پیدا ہوئے ہیں بے تو جنی بے جو نہایت خطرناک اور نہایت مذموم بے اور بھی بے تو جنی بے جس کو مد اس کی تعلیم پہیا لے چل جا رہی ہے لیکن دین و مذہب لوگوں کی قد روانی اور تسلیم کا میتھا نہیں ہے۔ ہمایہ پیارا اپنی جگہ سے سرک جائے۔ گنگا پورب کو بجتے بجتے پچھم کو بینے لے گئے مگر خدا کی با تین نہ کبھی ملتی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گی۔ دین تم سے چاہتا کیا ہے۔ صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بن کر رہوت کو آنکھیں دیں ہیں اور دیکھتے ہو، کان دیئے ہیں اور سنتے ہو زبان دی بے اور بولتے ہو، غرض ہر قوت سے ود کام لیتے ہو جو اس کے کرنے کا بے۔ قتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل بے۔ اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے۔ روئے ز میں پر خدا کی جتنی مخلوق بے سب میں اعلیٰ اور افضل اور اشرف انسان بے اور اس کی برتری اس سے ظاہر ہے کہ دوسری مخلوقات پر حکمرانی اور ان میں ماکانہ تصرف کرتا ہے۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اس کے بنائے ہوئے شہر اس کے لگائے ہوئے باش، نہریں، سڑکیں، پل، ریل، تار، دخانی، باد بانی، جہاز، انواع اقسام کی کمیں۔ زندگی کے ساز و سامان مگر یہ برتری جو انسان کو احتقاناً فاصلہ حاصل ہے۔ کیوں بے۔ اس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قتوں سے بہت ضعیف ہیں۔ مثلاً اس کی نظر سے گدھ کی نظر بہت تیز ہے۔ اس کے شامے سے شکاری کتوں کا شامہ کہیں زیادہ قوی ہے۔ وہ اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزا پچاننا بے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیت طبعی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں تو ان کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے وہ ایک مور ضعیف سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں بے! عقل میں، اب دیکھنا چاہیے کہ عقل کا کام کیا ہے یہ سمجھنا کہ عقل ہم کو صرف اسی واسطے دی گئی بے کہ کھانا پینا کپڑا مکان، بازو، سامان، بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذہل اور بے قدر کرنا ہے۔ یہ تو عقل کے نہایت مبتذل کام ہیں۔ جانور جن کے جستے ہمارے ہنوں سے بہت بہت بڑے ان کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہماری جتنی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگی بس کرتے ہیں۔ سماں ستر برس کی زندگی اور محدودے پر ضرورتوں کے لیے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے قلبے ملائے اور زمین سے آ سان تک پاؤں پہیا لے کسی بڑے اور عمدہ کام کے لیے دی گئی بے اور دو نہیں بے مگر یہ کہ مخلوق سے خالق فانی سے باقی اور دنیا سے آ خرت کو پیچان کر اس گھر کے لیے تیاری کریں، جہاں روح کو نہیں بے لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ دنیا و مافیا

سے جس کا ایک ایک ذرہ بستی صانع اور ایک ایک واقعہ جو دل سبب پر دلالت کر رہا ہے تو اس سے واقعات کا بطاً ان تو نہیں ہو سکتا، خدا بے اور ہمیشہ کوئے نہ گا۔ ہم اس کے بندے ہیں اور کسی طرح اس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ہم کو مرنا بے اور جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کی جواب دہی کرنی ہے، عمل اچھے ہیں تو تسلی ہے اور مُن بے اور عافیت ہے اور سکون بے اور قرار بے یعنی یہ کہ یہاں پار بے۔ برے ہیں تو حسرت ہے اور انہوں نے اور ندامت ہے اور پھنکار بے اور دھنکار بے، یعنی یہ کوئی کھکھ لیا جائے۔ کبھی ایوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی ہے غفلت اور اونکھتے کوٹھلتے کا بہانہ اختلاف مذہب ہے تو جسی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی دیکھتا ہے دنیا میں کسینکڑوں بزراروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو بر سر حق سمجھتا ہے۔ باقی سب کو گمراہ کافر اور مرد اور ملعون اور ہمیں تو یہ دیکھ کر خواہ خواہ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان بزراروں مذاہب کے معتقدات سے واقفیت حاصل کروں پھر ان کے سوال و جواب سنوں پھر ان میں محاکمه کروں۔ اس کے لیے میں کیا میری تو دنسلوں کی نہیں بھی غایت نہیں کر سکتیں۔ اس سے بہتر ہے کہ مذہب کی پہیں کو جس کا اتنا پتا کچھ نہیں، سو چوتھی مت، لیکن یہ بھی ایک دوسرا شیطانی ہے اور انسان کے لامذہب ہونے کے لیے جنت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں، جہاں تک مذہب کو دنیا سے تعلق ہے۔ سب کا مقصد اصل ہے، آدمی کی اصلاح۔ اور اختلاف اگر ہے تو ملکوں کی آب و ہوا لوگوں کو طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے فروٹ میں بنے نہ اصول میں جزئیات میں بنے نہ کلیات میں۔ پس تم جیسے نوجوان آدمیوں کے لیے اس سے بہتر اصلاح کی بات نہیں کہ جس شان میں بنے اسی شان میں رد کر پابندی مذہب کو نہ چھوڑے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ یہی کا خیال دل میں رائج ہو جائے گا۔ خدا سے لگا دیکھا ہو گا۔ اور حق کی تماش میں اس کو مزالتے گا۔ آدمی گرتاتا کرے اور اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمت اس کی دست گیری کرے گی۔ والذین جاہدوا افينا لنهدينهم سبلنا اوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور اگرے بن رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے دنیا کا انتظام ایسے طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک اور بد اور پابند اور لامذہبی اور مومن و کافر اور محمد و دشمن کسی کا کچھ اتیاز نہیں خداوند تعالیٰ کی عام رحمتوں سے سب کے سب با تخصیص یکساں طور پر متفق ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے برستا ہے۔ ہوا کا ذخیرہ سب کے لیے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیا ہے۔ صحبت و مرشد تمول و افلاس تو الد و تناصل حیات و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہودیوں میں، کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی فرقہ بلکہ کوئی تنفس اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنیٰ سی خصوصیت حاصل ہے۔ اور کہیں ایسی ادنیٰ سی خصوصیت بھی پائی جائے تو آپ جانینے تمام روئے

ز میں سے اختلاف مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ یہ خصوصیت ان لوگوں کے حق میں رسم قائل ہے جن کی طبیعتیں اندھیں کی طرف مائل ہیں۔ غور کرنے کی توان لوگوں میں عادت ہوتی ہی نہیں۔ دنیا میں ہیں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ ذالک مبلغہم من العلم لیکن ذرا عقل کو کام میں لا نہیں تو معلوم ہوا اور اندر سے دل آپ ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہاں اور زندگی ہے۔ یہ دنیا خواب ہے اور وہ جہاں اس کی تعبیر یہ مجاز ہے اور وہ حقیقت یہ نمونہ ہے اور وہ اصل۔ جس طرح عقل دنیا سب کی کیماں نہیں۔ اتنی طرح عقل دل دین کے مدارن بھی متفاوت ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جو سرف موجودات دنیا سے خدا کو خدا سے اس کی نظمت کو اس کی نظمت سے اس کی موجودیت کو مانتے پہچانتے ہیں اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے اور تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے بھی متباہ نہیں ہوتے تاوقتیہ خود ان پر کوئی آفت نازل نہ ہوا اور بعض حادثات عامہ سے حلول مصیبت پر بھی کہنے کے متناق گویا نہیں ہیں کہ آر بھی کھپوڑا اور ساتھ منہ سے بھی بٹھکاری دوتب ان کو خبر ہو کہ چنان چاہیے۔ اے میرے پیارے پتیجے اے مرحوم کی یادگار اے مغفور کی نشانی مجھ کو بھائی کے مرنے کا انتارخ نہیں ہوا جتنا تمہارے دین کی بتاہی کا۔ بھائی اگر مرے تو عمر طبعی کو پہنچ کر مرے۔ اور ایک دن مرن ضرور تھا۔ میں نے اپنی موت کے لیے دعائوں نہیں مانگی۔ اس واسطے کہ موت کے لیے دعا مانگنا منع ہے۔ مگر سات برس عرب میں رہا کوئی دن ایسا نہیں گزر اکہ میں نے اس سرز میں میں اپنے دفن ہونے کی تمنا نہ کی ہو۔ مگر خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں جب سے میں نے بھائی کا مرنا سنہرہ روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعائیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الہی اگر عرب کی مٹی سے میرا خیر نہیں بے تو مجھ کو با ایمان دنیا سے اٹھا کر اس شخص کے پہلو میں مجھ کو جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ یعنی میرے بڑے بھائی اور تمہارے والد مرحوم۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا بھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد اب زندگی بے مزہ ہے اور اس ملک میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ۔ یہ مت سمجھو کر آدمیوں کے باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں، نہیں نہیں یہ تعلقات روحری تعلقات ہیں اور چونکہ روحوں کو فنا نہیں۔ ان کے تعلقات کو بھی انقطع نہیں۔ یقین جانو کر تمہاری اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا بھوتی ہے۔ کیونکہ ان کو اس زندگی میں بھی تمہاری تکلیف کی برداشت نہ تھی اور اس طرز زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت بala نازل ہونے والی ہے میں اس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمہارے باپ اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہو سلتا ہے کہ بیٹے کو کنویں میں گرتا ہواد کیجھے اور پرواہ کرنے باپ سے مٹکن بے کر بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کو دے اور وہ لکھرا ہوا تماشہ دیکھے۔ مرحوم نے لوگوں کی نظر وہ میں سلامت روی اور نیک وضعی اور بخال منسافت سے جو ایک وقار بیدار کیا تھا تم ہی اپنے دل میں انصاف کرو کر تم نے اس کو بڑھایا۔

گھٹایا۔ روشن کیا یا ملایا۔ ایسے چاہئے والے ایسے شفیق ایسے مہربان دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ تھا۔ ان کے سلوک اسی پاداش کے قابل تھے۔ جو باقی میں تم سے کہہ رہا ہوں، تم کوشاید پہلی بار ان کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ مگر میری ساری عمر ان ہی غوروں اور فکرروں میں گزری ہے اور اس میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی صحبت رہی۔ ہندوستان سے لے کر عرب تک بزرگ بارہ علماء اور شیوخ سے ڈھونڈ کر ملا اور جس سے بتنا فیضان قسمت کا تھا حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے اور افسوس بے کہ مدد روا جب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ گالپٹا رہتا ہوں، اس پر بھی خدا کی عظمت اور اس کے جال پر نظر کرتا ہوں تو تو مجھ کو اپنی نجات کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہے اور تباہی میں خصوصیات کے وقت دنیا کی بے شان قیامت کے حساب اور اپنی بے بضماعتی کے انکار جو تم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ تم کو اس کا انداز دیکھنا مشکل ہے، سرف ان کی رحمت بے انتہا کی تو تھی اس وقت دست گیری کرتی ہے جس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ یہ زحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اگر اس کو زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہے کہ امیدواری رحمت کی ظہار سبندھاتی ہے، اگر خدا عقل میں راستی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم لکھتی ہے۔ دنیا میں جس کو جس پر کسی طرح کی حکومت بے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد دیا با دشاد کو رعایا پر اگر چہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں۔ اس پر بھی کوئی حاکم کسی حکوم کی کسی نافرمانی سے درگز نہیں کرتا کیا غلطیں ہیں کیا بے فکر یاں ہیں، کیا مغلطے ہیں، کیا مناسبتی ہے کہ بندہ بے حقیقت و تاچیر نافرمانی کیتی، اس قادر ذوالجلال کے اوامر کا اختلاف کرے۔ گویا اس کا مدمقابل بے اور پھر درگز رکی تو تھے۔ کیا ہمیزی ہے، مغفرت کی امید کیا ہے حیائی ہے۔ تم کو اکثر باتوں میں مغلطہ واقع ہو جائے۔ دوستوں کے بارے میں بھی تمہاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمہارے آگے پیچھے پڑے پھرتے ہیں۔ اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں۔ جہاں تک میں نے خیال کیا ہے، ایک کو بھی تمہارا خیر خواہ نہیں پاتا، ان کے کچھ مطلب ہیں بے ہود اغراض ہیں فاسد۔ تم کو دیکھ پایا، عقل کے کوتاد گانٹھ کے پورے آپ بنے شکاری اور تم کو گردابی اور لگے تمہاری آڑ میں تکے چانے، غرض مندانہ را بطور عوام اور خاص کر جب کہ اغراض خسیں ہوں۔ نہایت بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع۔ مجھ کو تو تو تھی یہ بے کرم نے خود اس کا تجربہ کر لیا ہو گا ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو تمہارے اتنے دوست ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دوسرے تک صحبت یوں ہی چل جائے تو جانا کہ بہت چل خیال کو اور دععت دونوں کا یہی حال ہے۔ دنیا کے تمام جسمانی اتحادات کا غیروں کی کیا شکایت دوسروں کا کیا گلا، اپنے ہی اعشاء بوراج اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں۔ دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو کہ ایک بصارت سے مغذور ہے تو دوسرا ثقل سمع سے

مجبو، کسی کی بھوک تھکی ہوتی ہے اور کسی کے باختی میں فتو۔ پیری و صد سیب زندہ درگور۔ دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقليں سلیم ہیں، فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی متفعقوں کے فریفہ نہیں ہوتے، جس قدر میں نے تم سے کہا۔ اگرچہ ضرورت سے بہت کم کہا مگر مجھ کو تمہاری طینت کی پاکیزگی سے امید ہے کہ انشاء اللہ رائیگاں نہ جائے گا اور خدا نے چاہاتو میں دعا بھی کروں گا کہ تمہارے دل میں سو پنے اور غور کرنے کا شوق پیدا ہو گر قاعدہ بے کردنیا میں کوئی مبتذل سے مبتذل فائدہ بھی بے خطاب نہیں ملتا۔ سچ ہے کہ جب تک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں دیتی پس دین کے عمدہ اور دلائی فائدے بد رجہ اولیٰ طالب پر موقوف اور پیر وی پر مخصر ہونے چاہئیں اور وہ تمہارے کرنے کا کام ہے۔ دین کے کام ہیں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے خیالات یعنی دل حالات پر مطاع نہیں ہو سکتا مگر خیالات کی اصلاح سے ارادے کی اور ارادے سے انعال کی طرز تمنہ کی اور وضع کی گفتگو کی نشست برخاست کی حرکات و سکنات کی سچی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ یعنی انسان کا ظاہر حال اس کے دل کا ترجمان ہوتا ہے۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بخود منکشف ہوتا رہے گا کہ جس راستے پر میں نے تم کو لگا دیا ہے تم نے اس میں چمنا شروع کیا یا نہیں۔

## بنتا پر متنی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

بنتا کو جب چچا نے کپڑا کرنی صحت کے لیے بھالیا تھا تو خواہ خواہ اس کی طبیعت میں از خود ایک ضد س آگئی تھی تا ہم تھوڑی دیر ادب کی وجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متنی کی باتوں پر ایسا تجھا کہ آنکھیں اور منہ دونوں کے دونوں کھلے رہ گئے اور جب تک میر متنی نے بات کو ختم نہیں کیا۔ بنتا کو کوئی دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرت کا ایک پتالا ہے۔ چچا کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کئی دن تک وہ بہوت سارا باس کا دل تو ان گیا تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا تھیک بے مگر جس بات کی آن پر چھٹی تھی، اس کے بدلتے ہوئے اس کا جی پنچھا تھا۔ اوارگی اس کی طبیعت میں بہاں تک ساری تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست آشنا کھانا پینا۔ سیر تماشا تفریح تمامی مشاغل سب کو ایک دم چھوڑوں یعنی ترک دنیا کروں تو پھر جیوں کیونکر اور فرش کیا کہ جبراہم ایں نے ترک دنیا کیا بھی تو اوگ مجھ کو کیا کہیں گے۔ آخر پر ہیز گار بنوں تو پورا پورا بنوں جیسے چچا زربفت کی ٹوپی خلاف آداب میں پہننے سے ربا۔ ناچار شملہ، دو پڑھ، عمامہ باندھنا پڑے گا اور اس کی زد میں باولوں کی جیسی گفت بننے کی ظاہر بے۔ تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈ اوں منڈ سے سر پر یہ خشاخی داڑھی اور چڑھی ہوئی موچھیں کیا بھل لگیں گی تو لازم آیا کہ داڑھی چھوڑوں اور موچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورت پر گلے میں کرنا نہ ہو تو خیر پیچ چولی کا انگر کھا اور نٹا نگوں میں ایک بر کا گھننا اس وجہ سے کیا مند لے کر بازار میں نکلوں گا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایک دم سے جا گھڑا ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھوڑیں گے۔ غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جا کر ملتا ہوں سمجھی کا انشت نما ہوںا پڑے گا۔ بنتا اسی پس و پیش میں تھا کہ میر متنی ایک دن اس کو خصوص کراپڑے بدلو اپنے ساتھ لے کر نکتے ہیں۔ غرض بنتا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کے بعد سے جب تک رب نماز کو جاتے بنتا کو گھر سے ساتھ لے کر نکتے ہیں۔ غرض بنتا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متنی کا دو تین میینے بھی اور رہنا ہوتا تو بنتا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی۔ آخر میر متنی نے کیا ہی کیا تھا، بنتا کو صرف ایک وعظ سنایا۔ صرف اتنی کوشش کی اس کی غفلت کو تازیانہ۔ دیندار بھلامانس بننے ہوئے وہ تجھیں پتا تھا۔ اس کی شرمندگی مٹا دی۔ اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا تو خدا جانے کتنے وعظ اور کہتے اور کیا کیا اس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول کے جمی ہوئے زنگ ہیں یہ کیا رگڑے سے چھوٹے نہ والے ہیں۔ حسن پرستی کا وہ بڑا اختت نیب بھی گویا بنتا کی کھنی میں داخل تھا۔ میر متنی موت پا کر اس کا علان کرتے پر کرتے مگر بنتا کو تو اپنے اعمال کی شامت بخیگتی تھی۔

میر متنقی کا دفعٹا بے وقت رام اپورروانہ ہونا اور بتنا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کر جانا  
 میر متنقی نے بتلا کی اصلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چکے چکے اس گمنام عرضی کی تحقیقات ہونے لگی جو نظر کی  
 شرارت سے میر متنقی کی شکایت میں گورز کے پاس پہنچی تھی اور تو کچھ حال نکھالا مگر خلاف عادت پولیس کے اوگ وقت بے  
 وقت کوئی وعظ سننے کے بہانے سے کوئی نماز کے میلے سے آمد و رفت کرنے لگے ان میں جزو زیادہ ہوشیار تھے پتے دے  
 دے کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت ہندوستان آپ کے نزدیک دارالحرب بے یا نہیں۔  
 انگریزوں سے اور ہندو سے سود لیتا روا بے یا نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں  
 لڑنے کا حکم دیں اور ایک مسلمان اس پلٹن میں پبلے سے نوکر ہوتا اس کو کیا کرتا چاہیے۔ مہدی جنزوں نے مصر میں خرون  
 کیا بے، مہدی موعود ہیں یا نہیں اور ان کو مد و دینا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست  
 بے یا نہیں، پکھری سے برادر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں۔ اس سود کا دینا گناہ بے یا نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا اور لباس  
 اور طرز تمدن میں ان کے ساتھ شبیہ کیا حکم رکھتا ہے۔ میر متنقی جاندیدا آدمی تھے۔ ان ہاتوں کو دیکھ کر ان کے کان کھڑے  
 ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا بے۔ کوتوال شہر سے معرفت اور دور کی صاحب سلامت تو تھی ہی۔ ایک جمعہ کی نماز  
 کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمناہ مانا ہو گیا۔ میر صاحب نے کہا مجھ کو آپ سے کچھ کہنا بے۔ وقت فرست معلوم ہو  
 تو میں آپ سے مانا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا آن بعد نماز مغرب میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ غرض کوتوال  
 کے ساتھ تخلیہ ہوا تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب یہ کیا ماجرا بے کہ چند روز سے پولیس کے اوگ میری گرانی  
 کرنے لگے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نا ایک آدمی ضرور موجود ہوتا بے مسئلے پوچھتے  
 ہیں تو یہ دار باتیں کرتے ہیں تو اکھڑی ہوئی میں نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی۔ یہ اوگ مجھ سے چھپا تے ہیں اور میں  
 سب سمجھتا ہوں، مجھ سے پر دہ کرتے ہیں اور میں ان کے تیور بیچتا ہوں۔ آپ کو معلوم بے میں یہاں کارہنے والا نہیں۔  
 سات پرس بعد سفر جاڑ سے واپس آیا۔ رام اپور جانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا کہ آؤ لگے با تھج بھائی سے ملتا جاؤں، یہاں پہنچ کر  
 معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو چکا بے، ان کے معاملات خانہ داری کو دیکھا۔ سب کے سب ابتر، ناچار خبرنا پڑا۔ اکثر  
 معاملات خدا کے نفل سے درست ہو گئے ہیں۔ بعض باتیں باقی ہیں۔ اگر میرے حال سے تعریض نہ بھی کیا جائے۔ تاہم  
 تین چار میہینے سے زیادہ تھبہ رہا منظور نہیں اور تھبہ سکتا بھی نہیں۔ لیکن اس نظر بندی کی حالت میں تو میں ایک دن بھی نہیں رہ  
 سکتا، بے اطمینانی کی وجہ سے وہ مطلب بھی نہیں ہو جاتا بے جس کی وجہ سے تھبہ رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے

سرکار کا ایسا کون ساقصور کیا بے۔ درس میں نہیں دیتا کہ میرے پاس مجھ رہب خطایا قصور اگر بے تو یہی کہ جو اللہ کا بندہ پاس آئیجھتا بے تو نصیحت کی دوچار باقی اس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا بے کہ دنیا کی حکومت کیسی ہی تاہیر کیوں نہ ہو مجھ کو اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی بے اور کرتا ہوں اور آئندہ بھی جہاں رہوں کروں گا۔ ضرور کروں گا، اگر یہ بغاوت بے تو میں پکارے کہتا ہوں کہ میں باشی۔ سرکار کو اختیار بے مجھے قید کرے گمراہ شاء اللہ وہاں بھی قید یوں کو نصیحت کرتا ہوں گا۔ سرکار شہنشاہزاد بر دست اور میں اس کی ایک ادنیٰ رسیت، میرے واسطے ایسی کارروائی کی کیا ضرورت بے۔ اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوابے تو مجھ کو علی روں الاشہاد طالب کرے میں جواب ہی کو اور اگر قصور ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں گمراہ بناۓ جس کی نظر میں تحقیق کو بنا مشتبہ تھہرا شیوه انصاف سے بہت بعید بے۔ کتوال یہ سب باقی چپ چاپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادتمندانہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب حضرت کا ارادہ تین چار میینے بعد خود رام پور روانہ ہونے کا بے۔ اگر ابھی قصد فرمائیے تو مناسب بے۔ یہاں کا اگر کوئی کام مجھ کو سپرد کر جائیے۔ انشاء اللہ اس کا سرانجام خاطر خواہ میرے ذمے۔ میر مقنی نے سمجھا کہاب تھہرا مصلحت نہیں اور زیادہ کاوش کرنے سے بھی حاصل نہیں فوراً سفر رام پور کا ارادہ کر دیا۔ غیرت بیگم باپ کے مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے جانے کا اس نے ماتم کیا۔ بتا کے خیالات میں بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ اس کو بھی چچا کے چلے جانے کا رنج ہوا۔ میر مقنی نے ہر ایک کو اس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے چلتے بتا سے اتنا کہہ گئے کہ سید حاضر کے خیالات بہت راستے پر آگئے ہیں۔ اگر تم ان سے مشورہ اوگے تو امید بے کہ نیک صلاح کے دینے میں دریغ نہ کریں گے یا میاں عارف جن کو تم میرے پاس اکثر دیکھتے تھے تمہارے ہی مدرسے کے طالب علم ہیں۔ بڑے اچھے دل کا لڑکا بے، بے تو تمہارا ہم عمر مگر استعداد اور معلومات کے اعتبار سے پورا موادی بے، بڑی خوبی اس میں یہ بنے کہ اس کے خیالات حکیمانہ اور شگفتہ ہیں۔ میں نے اس سے بھی پتا کیا کہہ دیا بے اور وہ ہفتے میں ایک دوبار تمہارے پاس آیا کریں گے۔ تم بھی رابطہ بڑھالیماں سے تم کو ہر طرح مدد ملے گی۔

## میر متنی کے چلے جانے کے بعد بتا اکس رنگ میں رہا

بتا کی تو اس وقت بعینہ ایسی مثال ہو گئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیب حاذق نے اس کا عانات شروع کیا ارادہ تھا کہ منفج ہوں۔ منجیوں کے بعد مسیل۔ مسلاوں کے بعد تبرید مجوانات کا استعمال کرایا جائے۔ ابھی منفج بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے۔ سید اگرچہ اس کا پھوپھی زاد بھائی تھا مگر رشتہ داری کے جملگروں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ اُس نہ تھا۔ رہ گئے میاں عارف مولوی تھے حکیم تھے شاغفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر بتا کے چھپا نہ تھے۔ بتا کو ان کا کیا لحاظ اور ان کو بتا کا کیا درد پھر بھی بے چارے نے خدا ان کو جزا نے خیر دے۔ میر متنی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ پیر کے پیر نتے کے بنتے بتا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھ کر چلے جاتے، اسی طرح بتا ابھی کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں ایک دن تھے دونوں کی ملاقات کا سامنہ بندھ گیا۔ اس سے اتنا تو ہوا کہ بتا کے پرانے یار اور دوستوں کو اس پر احاطہ کرنے کا موقع نہ ملا اور جس دھرے اپر چچا نے اس کو گاڈیا تھا، اس پر چھوڑا چاہا ست چاہدیر چا۔ دین داری میں اگرچہ پوچھو تو بتا نے ترقی نہیں کی مگر اس کا سنبھالا رہنا بھی غیمت ہوا کہ پھر اس نے آوارگی نہیں کی، وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا مگر گندے دار۔ اب دین کی باتوں کا اگراہ تمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح ان پر ہنسنا بھی نہ تھا، اس کی ظاہر و ضع میں بھی اگلی سی سخاوت باقی نہ تھی۔ جب سے باپ مرے اس نے گھر میں سوتا بالکل چھوڑ دیا۔ پچا کے آنے سے وہ پھر گھر میں ہونے لگا تو ان کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا۔ غرض بتا ادین دار نہیں تو ایک خانہ دار بھلا آدمی بن گیا تھا جیسے اکثر اُگ ہوتے ہیں مگر حسن پرست کی ہڑک ہر روز دو ایک بار اس کو ابھرتی رہتی تھی۔

## حسن صورت پر بتا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور بتا بیٹھا ہوا ان ہی کی راہ دیکھ رہا تھا بیٹھے بیٹھے اسی حسن پرستی کے خیال میں ایسا مخوب ہوا کہ عارف سر پر آکھڑے ہوئے اور اس نے عادت کے مطابق نہ تو ان کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر ان کو تعظیم دی۔ جب عارف نے جمک کر السلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا۔ مگر عارف بیٹھے چکے تھے۔ انہوں نے باتھ کپڑا کراپنے پر ایر بھالیا اور پوچھا کہ خیر بے آن کس خیال میں مستقر تھے، بتانے ناچاہا۔

عارف: (نے اسرار کیا) نہیں کوئی بات تو ضرور بے جس کو تم اس قدر غور کے ساتھ سوچ رہے۔

بتا: غور کے بارے میں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی۔

عارف: باشہ ان کا فرمان درست ہے۔ غور کے معنی کیا ہیں۔ عقل سے کام لیما اور انسان نے اگر عقل ہی سے کام نہ لیا تو اس میں اور دوسرا سے حیوانات میں کوئی مابہ الاتیاز نہیں، مگر پوچھنے سے میری غرض یعنی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو تھا میں دکروں۔ تمہارے چجانے جن کو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تم سے غور کرنے کو کہا اور مجھ سے تمہاری مد کرنے کو۔ پس تم اگر ان کے کہنے کے غور کرتے ہو تو ان ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مد بھی اور۔

بتا: جس بات کو میں سوچ رہا تھا کہ تھوڑا ہوں مگر ابھی تک کچھ مجھ میں نہیں آیا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اس میں کچھ مدد ملنے کی تو چن نہیں۔

عارف: ”جب تک تم اس بات کو مجھ سے بیان نہ کرو اور میں جواب نہ دے دوں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس وقت تک تم کو میری مدد سے نا امید ہونے کا کوئی محل نہیں۔“

بتا: اچھا تو آپ مد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

عارف: اجی تم سے کیا وعدہ کروں گا میں تو وعدہ کر چکا ہوں جناب میر مقنی صاحب سے۔

بتا: ”اس خاص بات کا اس وقت تک کچھ مذکور نہ تھا۔“

عارف: مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا۔ عام طور پر تمہاری مد کرنے کو فرمایا اور میں نے اس کو تسلیم کیا۔ اس سے بڑھ کر اور وعدہ کیا ہو گا

بتا: آپ کو میرے خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔

عارف: جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھ کو بھی معلوم ہیں۔

بُتلا: پچاہاوانے آپ سے میری خانداری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا  
عارف: اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے کہ بی بی کے ساتھ تمہارا معاملہ درست نہیں۔  
بُتلا: نادرستی معاملہ سے ان کی کیا مراد تھی۔  
عارف: مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ اُنہیں محبت نہیں۔  
بُتلا: بھلا اس کا کچھ سبب بھی انہوں نے بیان کیا تھا۔  
عارف: باں یہ فرماتے تھے کہ تمہارے مزان میں آوارگی ب۔ حسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں، دل میں یہ خط  
سمارہ بابت کہ میں حسین ہوں، لیا بنظر وہ میں بھرتی نہیں۔  
بُتلا: کیا پچاہاوا اس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے۔  
عارف: بے شک فرماتے تھے کہ مطالب کوتہ میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہے۔ اب موئیں کی تاک میں  
ہوں۔  
بُتلا: شاید ان کا ارادہ تھا کہ اس پر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہوا اس کی نوبت نہ آئی ورنہ چاروں چار مجھ کو مخالفت کرنی پڑتی۔  
عارف: کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفت کی ہو گئی کہ اس کی کرتے۔  
بُتلا: پہلے وعظ میں پچاہاوانے کسی بات میں واقعات کی مخالفت نہیں کی۔ اس سے میں نے ان کی مخالفت نہیں کی، مگر میری  
سمجھ میں نہیں آتا کہ خوبصورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے۔  
عارف: یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کہتے مگر انہوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اس کو حسن کے ساتھ فریشی بے  
انشاء اللہ اسی قد رن fert کرنے لگے تو ہی۔  
بُتلا: (چونک کر) میں اور حسن سے نفرت تو یہ کہیے کہ میرے سر سے دماغ کو اور دماث سے عقل کو اور عقل سے سلامت کو  
سب کو ساب کر لینے کی نکر میں تھے۔ بھلا آپ پچاہاوا کے اس ارادے کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟  
عارف: میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارف سمجھتا ہوں کہ غلط بات ان کے منہ سے نکلے یا ان کے کام  
میں مبالغہ ہو۔ ان کو خدا نے علم کی، دینداری کی، خلوص کی، خیرخواہی خلق کی، گویائی کی، بہت سی قوتیں دی ہیں۔ میرا عقیدہ تو  
یہ ہے کہ انہوں نے چھٹا نک بھر کو کہا تو میں بھر کر دکھاتے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں کیک ان کا چنانچہ بھر گیا۔  
بُتلا: آپ بھی تو ان کے شاگرد رشید ہیں۔ حسن سے نفرت نہیں تو خیراتنا کیجئے کہ کسی طرح میری یہ شورش تو فروہو کہ مجھے اس  
تصویر میں نہ رات کو نیند بند دن کو ترار بے۔ یہ کیا بامیرے سر پر سوار بے۔

عارف: کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ حسن کیا چیز ہے۔ اور لوگوں کو اس قدر فریشنس حسن کے ساتھ کیوں نہ ہے۔  
بتلا: یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے۔ مرد، عورت، بڑھا، جوان، شہری، دیہاتی، خواندہ، خواندہ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ خوبصورتی اس کو کہتے ہیں۔ تفصیل پوچھنے تو تمام شاعروں نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے بھی تو ضرور گزرے ہوں گے۔ رضا نامنوعی کا سراپا مرغ خوبی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ اس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں۔ اول تو سر سے لے کر ٹھان پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا۔ دوسرا مردوں کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ۔ تیسرا اعضا، کی ساخت کے عادوں ان کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے حسن خفیٰ اور حسن مصنوعی کا تفرقة ہے۔ عمدہ طور پر دکھایا ہے۔ غرض جو کچھ شعراء کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے۔ اور یہ جو آپ نے پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریشنس حسن کے ساتھ کیوں نہ تو یہ میرے نزدیک انسان کی طبیعت کا خاص ہے اور اس کے واسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلتا حسن کی طرف راغب واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں۔ آپ کا یہ سوال بحنسہ اسی طور کا ہے جیسے کوئی پوچھتے کہ کہرا گھاس کو اور مقناطیس لوبن کو کیوں کھینچتا ہے۔ آگ کیوں جاتی ہے۔

عارف: شعر آنے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کئے ہیں۔ آپ کو سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا مأخذ کیا ہے۔  
بتلا: میرے نزدیک ان تمام خیالات کا مأخذ وہی طبیعت انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہیے۔

عارف: ہا۔ لیکن اگر یہ خیالات طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں۔ کیونکہ آدمی انسانیت میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے اور طبیعت یکساں ہوتی تو چاہیے کہ سب کے تاثرے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک کے نزدیک مطبوع ہے۔ دوسرا کے نزدیک مکروہ۔ مثلاً بڑی خوبصورتی رنگ کی ہے۔ کہتے بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ۔ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں کہ گوار، سرخ، وسفید، گندم گوں ملچ، چمپی، وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں۔ جن کے پیچھے ہمارے ملک کے اوگ سر دھنختے ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا آدمی افریقہ میں جائے تو وہاں اس کی کیسی قدر ربوگی جیسی کہ ہمارے یہاں جذامی کی یا مبروس کی۔ افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں ان کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش اور ایسے ہی واٹے پائے جاتے ہیں۔ عشق و محبت ان میں بھی ہے۔ ان میں بھی حسین ہیں مگر ان کے سراپا تمہارے سراپا سے بالکل مختلف خاص خاص اعضا، کی نسبت بھی مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہے۔ ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے شعراً، شبیہہ دیتے ہیں شب دیکھوڑ سے، کالی گھٹا سے، مارسیاہ سے، عاشق کی تیرہ بختی سے، ہلمات سے، اور اہل یورپ چاہتے

ہیں بجورے سے بال سونے سے ہم رنگ اور وہ بھی ہندوستان کا نہیں۔ کیلئے وہ بیان کا پتیلی۔ ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی چور جس کی تلکی سیاہ ہو۔ صاحب لوگ نیلی کرنجی۔ چینیوں کی نسبت مشہور بے کہ کما نیاں چڑھا چڑھا کر ناک کو ہٹا چھوڑا کیونکہ ان کے نزدیک ناک کی اٹھان سے چبردا ہموار ہوتا تھا۔ عورتوں کے پاؤں کو کیسا شکنخی میں کسا کہ کھڑے ہونے سے ان کا مرکوز قلعہ ہی ملکانے پر نہیں رہتا۔ ناچار گر گر پڑتی ہیں۔ ہمارے یہاں دانتوں کا وصف بے صفائی اور چمک۔ چینیوں میں تیرگی اور سیاہی۔ افریقیہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کر کے آرے کا ہم شکل بناتی ہیں۔ انگریز نیاں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں۔ کسی کے گینے پر، کسی کے لباس پر، کسی کے پاؤں کی بندش پر، کسی کے بناؤ سنگھار پر اور خاص کر چینیوں پر اور ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کی اصلی خوبصورتی اس کی قدرتی بناوٹ میں ہے۔ اگر جس وقت اپنی بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں، ان کو اپنی کمریا نہیں رہتی۔ مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیہ پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت اگوں کے خیالات کس قدر مختلف ہیں۔ قومی اختلاف سے اتر کر شخصی اختلاف پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ ہے۔ کہ یہاں رانچشم بھنوں باید دید۔ غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہے حسن کا کوئی مفہوم نہیں تھبہتا۔ پس مفہوم حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہے۔ بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہے۔

بتلا: یہ تو ایک انظی بحث ہے۔ حسن کی نسبت میرا خیال طبعی اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہے کہ مجھ سے بدوس حسن کے صبر نہیں ہو سکتا۔

عارف: وادواہ انظی بحث کی بھی خوب کہیں۔ اجی حضرت یہ تو سلم الاغلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہے۔ جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تناضائے طبیعت انسانی سے سرزد ہوتی ہیں۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتیں۔ ان کی تبدیلی میں کوشش کرنا محض لا حاصل ہے اور مطلق بے سود۔ مگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہے ضرورتیں ہیں ادعائی حاجتیں ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر ادازم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان ادعائی ضرورتوں کا تناضائے بھی ضرورتوں سے بھی زیاد سخت ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ تناضائے طبیعت نہیں ہے اس کی شورش کو فرد اس کی تیزی کو مدھم کرنا ممکن ہے۔ مثلاً مطلق کھانا پیا تناضائے طبیعت انسانی ہے اور کسی تدبیر سے یہ خواہیں دفع نہیں ہو سکتی۔ مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص کیفیت کے کھانے کا ارتزام تناضائے طبیعت انسانی سے خارج ہے۔ جو لوگ شراب یا افون یا مارک یا چندرو یا گانجی یا چس یا تازی یا حقے یا کسی قسم کے نشے کی عادت ڈال لیتے ہیں اس کی طلب میں ایسے بے قرار ہو جاتے ہیں جیسے بھوپھل میں مچھلی۔ تاہم یہ ایک ضرورت ہے جس کو ان کی طبیعت شخصی تناضائے کرتی ہے نہ طبیعت انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کی حکمت کا مامہ نے نوئ انسان کے باقی رہنے کے لیے ایک تاعد و تھہرا دیا ہے کہ دو طرح کے آدمی بنائے۔ مرد اور عورت اور

دونوں کے لیے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اس حد پر پہنچیں تو دونوں میں از خود ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا ہو۔ بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تقاضا نے طبیعت انسانی بے۔ جسے مطلق غذا اور اس سے بڑھ کر کہ جس طرح رغبت کرتا ہے، پورا یا ادھورا رند کے سراپا کامصدق اق ہو کر از قبیل نشہ بے۔ اور جہاں انسان کے اور بزرار بالغويات ہیں کہ شاید اس بزرار آدمیوں میں ایک بھی ان سے محفوظ نہیں۔ ایک طرح کی غویت حسن پرستی بھی بے۔ بھلا کوئی مجھ کو اتنا تو سمجادے کے طبیعت انسانی جس رغبت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپا سے کیا مناسبت۔ بتا! میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اسی رغبت میں جس کا طبع ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں، سراپا کو ایسا مخل بے جیسا غذا میں مالے کو۔

**عارف:** باکل غلط۔ مسئلہ جزو غذا ہوتا ہے۔ داخل غذا اور خود غذائیں بتا! حسن کی نسبت آپ کی رائے تمام دنیا کی رائے کے خلاف ہے۔ اور اگرچہ بادی انظر میں آپ کی دلیل لا جواب معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ فی الواقع ایک عالم فریفہ حسن ہے۔ اور ازاں جملہ میں بھی ہوں گوا آپ کو قائل نہ کر سکوں۔ تاہم دل بے کہ حسن کے تصور سے پکھا جاتا ہے۔

**عارف:** اگر دنیا عبارت ہے ان لوگوں سے جن کو تمہاری طرح حسن پرستی کا خطبہ تو بالشبہ تمہارا کہنا درست ہے مگر زیادہ نہیں تو اپنی ہی معرفت کے مثاً اس گھر معین کرو اور دیکھو کہ ان میں کتنے آدمی ہیں بھر ان میں اپنے جیسے عادی مزان منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کر جنون عاشق عالمگیر بیانیں اور ایک بات میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیش بھرے کی ہیں۔ ایک دوسرے یہ روگ اکثر شہریوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اس کو میں مانتا ہوں لیکن برامت مانا۔ مدرستے کے تمام طالب علموں میں تم سب سے زیادہ معروف مشہور تھے مگر کس بات میں مدرستے کے چند آوارہ اور بدوضیغ نوجوان اڑکے تمہاری محبت کا دم بھرتے تھے اور انہوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات تم پر ثابت کر دی تھی کہ تم بھی حسین ہو۔ آدمی فربہ شود از را و گوش سنتے شنتے وہ خیال تمہارے ذہن میں راحٹ ہو گیا۔ جب خود جوان ہوئے اس خیال کا پیرایہ بدل گیا۔ شعر۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر  
بارے ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے  
بتا! آپ مولوی ہو کر آداب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اس دعویٰ کے اثبات میں آپ میری خاص حالت سے استدلال کرتے ہیں۔ دعویٰ عام ہے اور دلیل

خاص دنیا میں ہزار ہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہو سکتا ہے۔ کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں

-

عارف: تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا۔ جیسا میرا دعوئی عام ہے۔ ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے۔ اور تمہارا تذکرہ تمثیلہ تھا نہ استدلال۔ میری دلیل یہ ہے کہ حسن کی نسبت مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے۔

بتلا: آپ کی دلیل کا خاصہ یہ ہے کہ اتمہ صنات طبیعت انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں۔ مگر میرے سمجھنے میں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ روئے زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب و ہوا اور مختلف طور کی پیداوار ہے۔ اور آب و ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں کے طبائع کا مختلف ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفا کش۔ بعض کے غصیلہ زور نج بعض کے متحمل بردار، بعض کے بہادر دلیر بعض کے بزدل ڈر پک بعض کے سید ہے۔ مادھے بعض کے مفسد چالاک اور بایس جہا اختلافات یہ سب خصائص طبعی سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح حسن کی نسبت لوگوں کے مذاق ہوں۔ مذاق حسن پھر بھی طبعی ہی کہا جائے گا۔

عارف: جن خصائص کے اختلاف پر تم مذاق حسن کے اختلاف کو قیاس من النازق کرتے ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی اثر کرتی ہے۔ گرم ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ، خون گرم اور رقیق اور اس کی گردش تیز اور سرد ملکوں میں اس کے بالکل خلاف اور یہی وجہ ہے کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلہ اور بزدل اور ذہین ہوتے ہیں۔ لیکن آب و ہوا کو اس طرح کامد خل مذاق حسن میں ہونیں سکتا اور اگر بے تو اس کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم ملکوں کے لوگوں میں تو الہ تعالیٰ کی رغبت جلد پیدا ہوتی ہے یا وہ لوگ اس رغبت پر زیادہ حریص ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں۔ کیونکہ مطابقاً اس رغبت کا طبعی ہونا مجھ کو تسلیم ہے، رہی محاجات اور حرس دونوں حرارت کے آثار کیمیائی ہیں۔ مگر ہر پھر کر وہی بات آئی کہ اس رغبت طبعی کو شاعروں کے سر اپا سے کہو ہی حسن ہے۔ کیا تعلق۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بسبب بغرض بے مطلب کیوں اچھا یا برا کہہ سکتا ہے۔ مثلاً تمہارے ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہو سکتی ہے تو وہ تم ہی ہو کر تم اس سے سو نگھتے یا سانس لیتے ہو۔ اگر تمہاری ناک تمہارے کام اچھی طرح دیتی ہے تو وہ اچھی نہ ہو۔ مگر تمہارے لیے۔ میرا کون سا مطلب تمہاری ناک سے اٹکا ہے۔ کہ میں اس کو اچھا یا برا تجوہوں اور یہی حال بے تمام سر اپا کا جس کے پیچھے رندے جز کے جز سیاہ کئے ہیں۔ غرض تم کو دو باقی میں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ مذاق حسن تقاضائے طبیعت انسانی ہے۔ دوسرے یہ کہ تو الہ تعالیٰ کی رغبت طبعی میں اس کو مدخل ہے۔

بتنا: تبھی تو میں اس بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاقِ حسن مختلف کیوں ہیں۔

عارف: میں نے ان بالتوں کو برسوں سوچا ہے۔ آخر اس بات سے دل کوئی ہو گئی کہ حسن صورت فی نفسہ کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا۔ پہلے ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا کہ شاید حسن کا مأخذ علم قیافہ ہو لیعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق بے ایسا کہ اعضا کی ساخت اور وضع سے اس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے تجربے سے اس تعلق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علم قیافہ مدون ہو گیا۔ جو لوگ علم قیافہ کے ہڈے ماهر ہوتے ہیں۔ آدمی کے اعضا کی بناؤٹ سے اس کے خصائص طبیعت کو پہچان جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضا کی جو وضع محسن اخلاق پر دلالت کرتی ہو۔ اس کو اچھا سمجھنے لگے ہوں۔ لیکن تن لوگوں کے حسن کا بڑا تپہ چاہے۔ ان کو دیکھا تو میں جیسے الاحلاق سب سے بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علم قیافہ تو حسن کا مأخذ نہیں ہو سکتا۔ آخر غور کرتے کرتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ اور شریف اور وحشی اور خواص اور عوام کا تفرقة ہے۔ ایسا ہی ابتدائے دنیا میں سب لوگ تو یہ کسی حالت میں نہیں رہے ہوں گے۔ جسمانی قوت یا اعوان و انصار کی کثرت یا کسی دوسرا وجہ سے بعض لوگ ضرور اکار قوم سمجھے جاتے ہوں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کو انسان اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے۔ اس کی سمجھی باقی میں اس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال پیدا ہوا ہوتا عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی ابا من جد متوارث ہوتا چا آیا۔ اور یہی سبب ہے کہ ملکوں میں مذاقِ حسن کے مختلف ہونے کا کہ ہر ملک میں جو شخص سب سے بہتر اور برتر لوگوں نے اس ہی کونونہ حسن قرار دے لیا۔ تم نے نپولین شاہ فرانس کی تصویر یوں دیکھی ہو گی۔ اس کی ڈاڑھی تھی چھپی اور ڈاڑھی کی خوبصورتی بے بھری ہوئی گول مگر نپولین کی دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چھپی کر لیں اور اتنی کو شعاعِ نبو بصورتی شہر الیا اور چھپی ڈاڑھی کا ہام رکھا امپسیر میں بیڑا لیعنی شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پینے میں لباس میں نشت و برخاست میں طرزِ تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتا جا رہی ہے۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انگریز ہیں وقت کے حاکم اور ان کی تمام ادائیں خوشنامگی ہیں اور ہم لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوماً فیوماً انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں بغیر خاقت تو اختیار بات نہیں مگر فتنہ رفتہ مہندی اور ویہ کے عوض ہمارے یہاں کے بڑھنے کی زردی کا خساب تو ضرور کرنے لگیں گے۔ حسن کی نسبت شنمنی مذاقوں کی تاویل چند اس مشکل نہیں۔ ایک شخص میں تمام محسن صورت کا جمع ہوتا تو کمیاب ہے۔ اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ ہڈے سے ہڈے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے ہیں۔ اب یہ پسند کرنے والے کی تجویز پر منحصر رہا کہ چاہے جس پیلاو کو ترجیح دے۔ بعض رنگ پر مرتے ہیں اور بعض نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں، بعض حسن داد کے خریدار ہیں اور بعض دام زلف کے گرفتار۔

بنتا: حسن اگر خصائص انسانی سے ہوتا تو جو مخذل آپ نے بیان کیا بالاشہر قابل تسلیم تھا، مگر جمادات، نبادات، حیوات غرض تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں، والد مر جو م زندہ تھے کہ ایک مقدمے کی پیروی کے لیے انہوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا۔ اور مجھ کو ان کے ساتھ کیا تو پیارہ دھندا و دھندا اکئی منزل سے نظر آتا تھا۔ مگر تین چار کوں کے فاصلے سے تو ہم اس کو اچھی خاصی طرح سمو چاڑ کیکھنے لگے۔ وہ صبح کا وقت اور پیارہ کی چوٹیوں پر سفید بر اق بر ف گویا سکھار میز براں اند آدم آئینہ لگا بے کہ آ فتاب سوتا اٹھ کے پبلے شبنم سے منزہ ہوئے اور پھر اپنا چہرہ داس آئینے میں دیکھے اور چوٹیوں کے گرد اگر د جب شفقت کی سرخی اور دامان کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ناز نین گابی دوپٹہ اوڑھے اور ہری پشاور پینے نور سے کھڑی ہوئی آس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہی ہے۔ شروع میں تھوڑی دری تک تو اس کا شعور تھا کہ واقع میں پیارہ بے اور ہماری قوت متحیا نے اس کو ناز نین اور شفقت و سبزے کے دوسرا کالا باس بنالیا ہے۔ مگر آ فتاب کی کرن نکتے ہی اوپر بر ف کے کنارے اور نیچے ندی نالے سارے جگہاں اٹھے جیسے عین میں سچا گونا۔ اب تو جو خیال تھا وہ حقیقت الحال ہو گیا۔ قوت نامیہ کا ہر طرف یہ زور شور کا ایک پیچہ بھر جگہ سبزہ خود رو سے خالی نہیں۔ شاعر تو سبزے کو خوابید و باندھتے ہیں مگر وہ باس کا سبزہ بیدار۔ ہوا کے جھونکوں سے ہر وقت متمنون بالقصوع اس وقت تو یہی خیال میں آتا تھا کہ ہوا کے گدگدانے سے پیارہ کے پیٹ میں پسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں باتوں سے پگڑی سنبھال کر درختوں کو دیکھتے ایسا شہر ہو کہ آسان کی چھت بہت پرانی ہو چکی تھی۔ شاید اس کی دراثتیں ہیں۔ رنگ رنگ کے جانور پھدک کر ادھر سے اوہر اس طرح اڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ چوتھیاں کھیلی جا رہی ہیں غرض ہر چیز پر ایک قدر تی جو بن تھا کہ جی بے اختیار اونا چا جاتا تھا۔ ایسی کسی موقع پر آپ کے جانے کا انشاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حسن ایک کیفیت خداداد ہے۔ ہر جگہ بے اور ہر چیز میں ہے۔ اسی نینی تال کے راستے میں ایک ندی ملتی ہے۔ دنیا کی تمام صنعتیں تمام دست کاریاں جس غرض سے ہیں، صرف اتنی ہی بات کے لیے کہ چیزوں میں حسن پیدا ہو۔ کسی انگریزی شاپ (دکان) میں میرے ساتھ چلنے تو میں آپ کو دکھادوں کہ صرف مکان کی آرائش کے لیے کیا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بن کر چلا آرباب۔ زندگی کے تمام ساز و سامان میں کون تی چیز بے جس میں خوبی نہیں اور یہوں آدمی آنکھوں پر ٹھیکیری دھر لے اور ہدایت کا انکار کر لے تو اس کا عالم نہیں۔ حسن کا تناضائے طبیعت ماننا آسان ہے یا ایک عالم کو مجنوں اور بنتا ہے خط۔

عارف: بات کو بہت طول ہوتا جاتا ہے اور تقریر سے لکھی کسی بات کا تصنیفہ ہو نہیں اور مدت عمر کے جمہ ہوئے خیال کا فتحاً دل سے نکالنا بھی مشکل۔ میں تم کو اتنی نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو مختلف اوقات

میں تم خود سوچو اور میں نے بھی یہیں کہا تھا کہ مدد توں خود غور کرتا رہا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق کرو گے یا نہ کرو گے مگر اس کا تو مجھ کو پورا یقین نہ کہ انشاء اللہ تمہاری یہ شورش تو ضرور فرو ہو جائے گی جس طرح تم دوسری چیزوں کا احسان کرتے ہو۔ یعنی مثلاً نہیں تال کی سیر سے تمہاری طبیعت کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اسی طرح کی تفریح تم کو خوبصورت آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس احسان کو تم تقاضائے طبیعت بھی سمجھو تو پہنچاں مضاائقہ نہیں مگر دل میں انصاف کرو کہ اس احسان کو اس احسان کے ساتھ کیا ملتا سب اور فرش کرو کہ احسان مردم یعنی حسن پرستی جیسا تم کہتے ہو۔ تقاضائے طبیعت انسانی ہی ہی تو طبیعت انسان کے اور بہت سے تقاضے ہیں مگر چاروں ناچار ان کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہے۔ سب میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہے۔ تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہے کہ فنا تک کرو اور فنا تک کرتے ہیں۔ یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسر نہیں آتا اور وہ انتہی یوں کو مسوس کر کے رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطابق العنان تو وہ نہیں سکتا۔ حسن کمیاب اور اس کے خواہاں بہت معشوقوں کے غزوہ دادا سے شہید ہونے کا انتظار بھی نہ کریں۔ آپس ہی میں رقبات کی وجہ سے لٹمریں اور مشکل یہ بن کر کیا بیٹھ بھری شرط حسن۔ کیونکہ اگر حسن کثرت سے ہوں تو بے قدر ہو جائے۔ کوئی اس کی طرف رغبت بھی نہ کرے۔ پس حسن پرستی نے نفس ایسی خواہش بنے کہ بزرار خواہشوں میں ایک کی کامیابی کی بھی تو آئیں۔ تو کیوں آدمی ایسی حالت اپنے پیچھے لگائے کہ اس سے سوائے رنج کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موئی پر آئی ہوئی بات کہنی پڑتی ہے تم کو معلوم ہے کہ وائے اور دعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس قدر زیادہ سہولت سے میسر آ سکتی ہے۔ بس جان لو کہ ہم کو اسی قدر زیادہ اس کی حاجت ہے۔ مثلاً ہوا اور پانی اور غذاء سب ضرورت ہی کی چیزیں ہیں۔ غذے زیادہ پانی اور پانی سے زیادہ ہوا مگر ہوا سب سے زیادہ سہل الحصول ہے۔ پانی اس سے کم اور غذاء اس سے بھی کم۔ اسی طرح اوبا اور چاندی اور سوتا اور موئی اور جواہرات۔ سب سے زیادہ بکار آمد اوابابے اور اسی کی زیادہ افراط ہے۔ پس حسن اگر حقیقت میں ہم کو درکار ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی افراط بھی ہوتی اور افراط ہوئی تو پھر حسن کہاں۔ حسن تو اسی وقت تک حسن ہے کہ اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔

بتا! آپ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک ہے کہ حسن کم یا بے اور جو بے اس پر دسترس کا ہوتا مشکل۔ اور میں اسی سوت میں بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ مگر دنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہیں۔ بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک لذت حسن کا شامل نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی مزدہ ہی نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک بھی جو کھوں میں ہو تو کیا مضاائقہ۔ اتنا خدا کا شکر ہے کہ

دوسروں کو محل بے اور مجھ کو آسان۔

عارف: کیوں تم میں خصوصیت کیا بے۔ کیا تم کہیں کے حاکم ہو۔ یا تمہارے یہاں کچھ دولت پھٹ رہی بے۔

بنتا: بس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومت اور دولت دو ہی چیزیں ہیں۔ اجی حضرت میں حسن کو دولت رکھتا ہوں۔ اب چند روز ہوئے چچا باوادا کے لحاظ سے میں نے آنا جاتا چھوڑ دیا۔ ورنہ شہر میں ایسا کون ناز نہیں بے جو مجھ کو پیار نہیں کرتا۔ ذرا میرارخ دیکھیں تو گلے کی بار ہو جائیں مجھ کو حسن کی کیا کی بے۔ آن چاہوں تو ایک ریڑ پال اوں۔

عارف: لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم ہی میں تو سمجھتا تھا کہ تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیات اور عزت اور غیرت اور امداد اور نہب کسی چیز سے تم کو بہرہ نہیں اور تمہاری حالت بڑی خطرناک حالت بے۔ تم تو جناب میر مقنی صاحب کے پاس برسوں رہوت بکھیں جا کر آدمی بنو تو بنو۔ تمہاری عقل کا تو یہ حال بے کہ ابھی تک خوبصورتی کا خطب تمہارے سر سے نہیں بکلا۔ تم بات بات میں اس طرح منہ بھر بھر کر اپنے تینیں حسین اور خوبصورت کہتے ہو کہ گویا حسن صورت بڑا ہو رہے۔ مرد ہو کر تمہیں عورتوں کے بخرا پر ناز کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خوبصورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے ہو گے۔ مگر غیرت مندوں کی نظر میں اس گورے چڑھے نے سارے خاندان کی عزت ڈبو دی اور تم کو دنیا اور دین دونوں کے کام سے کھو دیا۔ اور خیر جوان ہوئے پیچھے و کم بخت خوبصورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا ہوتا۔ نہیں وہ خطب بے کہ بدستور تازدہ بے۔ منہ پر ڈاڑھی نکل آئی بے۔ چہرہ پکا کیمینٹ ہو گیا۔ وہ رنگ و رونگ و دزمی و زما کرت کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ مگر خدا جانے وہ تمہاری خوبصورتی کس چیز سے عبارت بے۔ کہ اس میں فرق نہ آیا۔ شہر کے نازنیوں کا حال تو معلوم نہیں مگر درستے میں جو تمہارے چاہنے والے تھے وہ تمہارے رہتے ہی ایک ایک کر کے تم سے بے رخی کرنے لگے تھے۔ اور کیا تم کو اس کا امتیاز نہ ہوا ہو گا اور جب تمہاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدلتی گئی کہ خیر و ایک طرح خوبصورتی تھی بھی تب بھی مرد خدا تم کو تنبیہ نہ ہوئی کہ کیا ایسی بے ثبات اور ناپائیدار چیز کے درپے ہونا جو آنے بے اور کل نہیں۔ یہ کیفیت جو تم میں اب بے۔ اگر چہ اس کو خوبصورتی سمجھنا تمہارا ہی ادعا بے مگر بری یا بھلی جیسی بے اسے تو قیام ہو۔ جس نے تم کو بچپن میں دیکھا بے۔ اب سے چار برس بعد پیچا نے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی بتا بے یا دوسرا شخص بے۔ میرے نزدیک تو خوبصورتی کا دعویٰ اب بھی تم کو زیب نہیں دیتا مگر ایک وقت آنے والا بتاؤ اس کو آیا ہوا۔ سمجھو جب کہ تم خود پکارا گھوگے۔

دریغا	کہ	عبد	جوانی	برفت
برفت	گو	زندگانی	جوانی	

ڈراخیالات کو اونچا کرو۔ نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ۔ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر ابتمام کر رہے ہوئے خدا نے گدھے، کتے  
بندر سورہ میل سے میل جانوروں کو بھی دی ہیں۔ بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے  
لیے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی رلیں کرنے پر حرجیں ہو۔ تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ بے کہنا زیناں شہر یعنی بازاری  
عورتیں تم کو پیار کرتی ہیں۔ یہ جمیٹی رکابیاں یہ چپڑی ہوئی بڈیاں یہ لہائی ہو تلفیاں کسی بھلے مالس کی غیرت تھا کہ سکتی  
ہے کہ ان کو منہ لگائے یا پاس بٹھائے نزی خوبصورتی کو اگر ہو بھی، لے کر کیا آگ لگانی ہے۔ جبکہ ان میں شرم و حیانیں، مہرو  
فائزیں، عنست و عصمت نہیں۔ غیرت و محیت نہیں۔

بتلا: میں نے تو ان لوگوں کا مت کردا آپ سے صرف اس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں تو غالباً میرے لیے  
اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہو گا۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں۔ مجھے دوسرا ذریعہ تقریب درکار نہیں۔  
جس دن چبابا وال تشریف لائے میں نے ان لوگوں سے ملنا جانا قطعاً موقوف کر دیا اور آئندہ بھی میرا ارادہ ان لوگوں سے  
ملنے جانے کا ہرگز نہیں۔ چبابا وال کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ با تھے لگ کیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں ان  
لوگوں کو خوب آزمایا، بک گیا، بر باد ہو گیا، چبابا وال ہوتے تو ناقوں پر نوبت پہنچ چکی تھی۔ مگر حقیقت میں عجب بہ مردت  
قوم ہے۔ چندے کے بندے اور دام کے غلام۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ  
لے بھی مرتے ہیں۔

عارف: الحمد للہ میرا جی یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس تالائی گروہ سے تو انفرت ہوئی۔ اور میں تو بھائی اس کو جناب میر  
صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں۔

بتلا: خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی کمک میرے دل میں باقی نہیں رکلتی۔

عارف: اب بہت دیر باتیں ہوئیں۔ آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا۔ انشا اللہ پھر کسی دن موتن دیکھ کر  
گفتگو کریں گے۔ اس اثناء میں تم بھی وقایتو قیاسو چنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمہارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی  
بات ایسی پیدا ہو گی کہ اس سے تمہاری تسلیم ہو جائے گی۔ اتنی بات تمہارے ہاتھ میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام  
معاملات کا مدار خیالات پر ہے۔ شعر

برخیالے صلح و شان و بیتل شان  
برخیالے نام شان و نگ شان

ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اس غرض سے

مطاق سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کے دن اپرے کرنے کو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور ان کے بہم پہنچانے کے لیے کچھ زیادہ زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ صائب نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسہاب جہاں  
آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابناء جنس ایک چیز کے بدلوں خوش و خرم رہ سکتے ہیں تو اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریات زندگی بلکہ داخل تفریحات بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اس چیز پر غالب آئے اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور غلوب ہو گئے۔ یوں تو سوچنے اور غور کرنے کو ہزاروں باتیں ہیں گر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ مفید ہے۔ اگر دن رات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی آدمی اپنی تیہیں مرتا ہو افرض کر لیا کرے اور یہ تو ایقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن سچ مجھ اس کو مرنا ہو گا تو دنیا کی بہت سے ترنجیات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ دینداری کے خیالات ابھی تمہاری طبیعت میں راح نہیں ہوئے۔ موجبات ترغیب کے پاس نہ پہنچنا اور نہ سارا کیا کرایا دم کے دم میں اکارت ہو جائے گا۔

## بِتَّا کا دامِ محبت میں بِتَّا ہونا

عارف تو یہ کہہ کر اس وقت رخصت ہو گیا۔ بِتَّا کے شیاطین برادر اس کی گھات میں لگئے ہوئے تھے۔ میر مقنی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے پورش شروع کی۔ بِتَّا تو ایک مدت سے ادھار پر عیاشی کر رہا تھا۔ سینکڑوں روپے ان لوگوں کے اس پر چڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کوہلے ہوئے خدا جانے میر مقنی کے رہتے ہوئے بھی انہوں نے کیوں کر صبر کیا ہو گا۔ میر مقنی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اس قرض کا جنگڑا ان کے روپروپیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ بھی کر دیتے اب اونے پونے کیسے سوانے ڈیوڑھی کی قحط بندی پر تو قرضے کا چوتا ہوا۔ اور ان لوگوں کے پاس آ کر بینہنے بات کرنے سے بِتَّا کی طبیعت جو میر مقنی اور عارف کے سمجھانے سے کسی قدر منجل چلتی ہے۔ پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا، کہ بِتَّا پھر بدستور سابق آوارہ مزان ہو جائے۔ مگر ادھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور ادھر ادائے قرض کی وجہ سے بِتَّا کو ان لوگوں سے ایک طرح ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں نہ جنمگراب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور بہ۔ بِتَّا کے والدان دنوں زندہ تھے۔ اتنی محلے میں بِتَّا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آ کر رہی۔ وہ تھی تو لاہنہ کی کوئی خانگی، پر اس نے اپنے تین بیگم مشہور کیا۔ باہ جو دیکھ تھوڑے ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اس کی خوبصورتی اور لیاقت کا نائل بھی گیا، عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا۔ اپنے شوق کی چیز میں بیگم کا مدامح تھا۔ شاعر کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کو بول خوب بجائی بے تاش گنجفہ چور شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اس کے کمال کے قائل تھے۔ ضلع جگت پھیتی حاضر جوابی پیلائی کرنی نسبت میں سب مانتے تھے۔ کہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کی خوبصورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اس کے جامہ زیب ہونے پر سب کو اتفاق تھا بِتَّا تو خود ایسی خبروں کی نہیں میں لگا رہتا تھا۔ اس کو بیگم کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہو گا۔ لیکن باپ کے رہنے محلے میں بدلا جانی نہیں کر سکتا تھا، نہ جاسکا۔ باپ کے پیچھے جب بِتَّا کھل کھیا تو جہاں اس نے نالائقیاں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ما۔ شاعری اور ستار اور شطرنج اور کیا یہ تو سب بہانے تھے۔ مگر اس میں تھک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اس کی زبان کہہ دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبہ یا کسی دوسرے طور پر اس نے بادشاہی محاذات میں ضروری تر بہت پائی بے یا کیا عجب بہ کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم ہی ہو۔ انسانی کے عادوں اس کا سایقہ مجلس بھی بہت دلکش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو مٹوں لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اس ہی کے مذاق کی بتیں کرتی۔ یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی۔ ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ چند اس قدر کی چیز نہ تھی۔ بِتَّا کے ساتھ آنکھیں چار ہوتے ہی وہ پچان گئی

کہ یہ کوئی نیا مردوا بنا بے۔ اس نے بتا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آناتب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور گاؤں تکیہ سے ود لگی ہوئی پیٹھی تھی چھوڑا اپنی جگہ بتا کو بھایا اور آپ مودب سامنے ہو پیٹھی۔ بتا نے چاہا کہ اس کو اپنے برادر بھائے مگر وہ ایسا قدر خود بثنا س کہہ کر پہلو پر نہ آئی۔ بتا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلی کی تعریفیں سن کر جی پھر کتاب تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیجھ آتی۔ بارے سان نہ گمان خود بخوندا ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دلی میں لا بھایا۔ اور جیسا ساتھ اس سے ہزار حصے بڑھ کر پایا۔ چشم بد دور نکھنو میں دولت کی افراط بے اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں۔ حسن کی جو قدر و منزلت ہمارے نکھنو میں بے کسی دوسرے شہر میں کم ہو گی اور یہی سبب بے کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب نکھنو میں سست آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہے کہ اس کو حسن کا کھاڑا کہنا چاہیے۔ مگر اپنا شہر بتو ہونے دو بات تو بھی ہی کہنی جائے گی۔ ماشاء اللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر سے نہیں گزر۔

بتا! یہ تو سب تمہاری مہربانی ہے۔ چونکہ تم نظر محبت سے دیکھتی ہو۔ تم کو تو میری صورت بھی جانی معلوم ہوتی ہے۔ ہم مردوں کی صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا، بے مصرف، صورتیں تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمہاری ان صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں نے بھی تمہاری صفت و ثابت بھی کھوئی تھی۔ اور تمہارے دیکھنے کے لیے دل بے قرار تھا۔ مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تم کو دیکھتا تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں نکھنو کی خراش تراش اور وضع داری کو دلی والے نہیں پا سکتے۔ مگر یہ تو کہو کہ گھر تمہارا نکھنو، یہاں دلی میں تمہارے قیام کا کیا بھروسہ۔

بیگم: ”ہم لوگوں کا کم بخت اس طرح کا برا پیشہ بے کر قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ آپ کو یقین آئے نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرم میں نکھانا تھا کہ ایسے برے احوال سے پر دلیں میں پڑی ہوں۔ میرا حال اس قطعے کے مصدقہ ہے۔“

### قطعہ:

ربیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
ہم تھن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو  
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار  
اور اگر مر جائے تو نوجہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت کامنہ سے لگی دل میں یہ مہان کرنگی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی بے جیتے جی منہ نہ دکھاؤں گی۔ جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہے۔ بس خدا ہی کون خوب معلوم بن گرموت اپنے بس کی نہیں۔ شاد بایز یستقн۔ ناشاد بایز یستقن۔ آن اگر کوئی بھلا آدمی خدا اس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کر لے تو مجھ کو چند کاتنا منظور؛ پچھی پیشی قبول میں اس کی کخش برداری کو حاضر ہوں مگر مان نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کسی کے سر بہو جاؤں۔ آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ اوں۔

ہر چند بتا کی آوارگی ان دونوں بڑے زوروں پر تھی گمراہ اس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کسی نہیں آیا تھا۔ یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ بتا نے اس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں سارا دکر لیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی کہ ایک تو اس کی صورت کچھ بہت عمدہ تھی بنا نے سنوارنے سے وہ اتنی بھی نظر وہ میں چھپتی تھی۔ دوسرے گاتا چنا جس کی ان دونوں بتا کو چاٹ لگی بھی تھی اس کو مطابق نہیں آتا تھا۔ بتا، ہم اس نے اپنی لسانی سے بتا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو گروید کر لیا کہ شام کا گیا ڈیڑھ پہر رات کو تو اس کے دو ہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی۔ اس اثناء میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے باتحہ سے بنا بنا کر بتا کو کھائیں۔ دو دور چائے اور کافی کے چلے۔ بتا اگر ایک جلسے میں مدعونہ ہوتا تو اس سے رات کارہ پڑتا بھی کچھ تعجب نہ تھا۔ بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں۔ ناچار اٹھنا پڑا۔ اور جلسے کی سن کر بیگم کو بھی اصرار کرنے کا موقن نہ تھا۔ مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عبدتو لے لیا کہ جلسے کے سواۓ اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلا تنگ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی اور میر مقتی کے آنے سک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے بتا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی۔ میر مقتی کی الاحول سے جہاں اور شیطان بجاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ میر مقتی کے رجتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ بتا ازیادہ نہیں تو کبھی کبھار کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے۔ مگر بتا خود ان دونوں ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا آتا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی روادار نہ ہوا۔ بتا بے چارے کے حال پر خیال کر کے کس قدر افسوس آتا بے۔ شعر

قسم تو یکی ہے کہ کہاں ٹوٹی بے کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رو گیا

قریب تھا کہ بیگم تو اس کو صبر کر کے بیٹھ رہے اتنے میں میر مقتی کو سنا کر تشریف لے گئے۔ بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اچھل پڑی اور اسی وقت سے لگی بتا کے انتظار میں بار بار مژمر کر دروازے کی طرف دیکھنے۔ ایک دن گزرادو

دن گزرے تین دن گزرے بتا کا پتہ نہیں۔ سمجھی کہ چونے ضرور بتیجے کو کچھ پڑھائی۔ آخر جب اپنے اہل برادری کو سنا کہ حساب کتاب کو آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے با تھا ایک رقعت بھیجا۔ (رقع) جامن یا باشور اس کی دیا بایں بے نمکی اس قدر بے مرتوی ایسی بے وفائی۔ کچھ قصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچھ تھے تو اتنا بڑھانا ایسا گہرا اختلاط کرتا کیا ضروری تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لیے تشریف لاو۔ اور اپنی حقیقت مجھ کو سناو۔ میں خدا نخواستہ کوئی بالغ نہیں کہ چھٹ جاؤں گی۔ آپ کوئی بچہ نہیں کہ پھسالا لوں۔ اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں۔ شعر

تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو  
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
بتا یہ رقعہ پڑھ کر غوطہ میں تھا کہ عارف اس کے سر پر آکھڑے ہوئے تھے۔ عارف کے چلے جانے کے بعد بتا نے رقعت کو پھر کئی بار پڑھا۔ وہ اس وقت جانے میں بچھاتا تھا۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئے گی۔ اس سے تو میرا جانا بہتر ہے۔ غرض دل خوب مضبوط کر بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہے کہ کچھ گھری کو گیا کہ بس اتنی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد بتا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی۔ بس اس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ بتا کی تو کیا حقیقت تھی۔ اس کے چچا با وہ امیر مقنی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا تو ضرور جاتے۔ دیر تک آپس میں گلے شکو ہوتے رب۔ آخر میں بتا نے شروع سے آخر تک میر مقنی کا آنا اور امور خانہ داری کی اصلاح اور ان کی نصیحت اور حاضر کی فضیلت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا اور عارف سے متعارف کرنا اور عارف کو سمجھانا اور ارباب انشاٹ کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا۔ بیگم نے بہت ہی توجہ سے بتا کے قصے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برادر جو آپ کا آنا ہوا۔ اس سے مجھے بڑی آزدگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اٹھ جاؤں گی۔ مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی۔ میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوئی تو ضرور میر صاحب کے با تھا پر بیعت کرتی۔ سبحان اللہ! اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا، ان کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو۔ میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بیسواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو بر بادر کتا اور یہ ہر جائی پن اچھا نہیں۔

بتا: مشکل یا آپری بے کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو غبت نہیں پھر آپ کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔“  
بیگم: ”بیا بتا بی بی سے اگر مرضی نہ ملتی ہو تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کراؤ۔“ ”خدا نخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو یہ بیوں کا

خرق نہ چاہ سکو گے۔ مردوں پر تو خدا نے ایک ایک کو چار چار کام بے۔

بنتا: تم مجھ سے نکاح پڑھنے پر راضی ہو۔

نیگم: ”میں تو خود تم سے کہہ پچکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ میں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کر بیٹھ رہوں گی۔ اور اگر تم میری دست گیری کرو تو زب قسمت گلرتم کو بہتری مجھ سے بہتر میں گی۔ نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کہ پھر بی بی کی تمباہاتی نہ رہے بلکہ مناسب توبیہ بن کر نکاح مت پڑھاؤ پہنچ دے کسی کو آزماؤ۔“

بنتا: میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سرد کھنخ لے گا۔ چچا با اور میاں عارف کی تو مرضی یہ بے کہ میں ساری عمر نجف و نعم میں گھل گھل کر مرجاہوں

نیگم: ”نون دور پار نصیب دشمناں رنج کرے تمہاری بنا اور غم اٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم ایمانہ نہیں اور جوانی کی عمر بھی چلتی دھوپ ہے۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چوہبے میں ڈالنا ہے۔“

بنتا: ”دل پر تو قابو نہیں چلتا۔ اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو اُنس ہو چار دوسری بی بی تو کرنی ہی پڑے گی۔ اچھا تو آن کے آٹھویں دن۔“

نیگم: ”بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط ہے کہ بست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آ کر مجھ سے کہنا ایمانہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔“

بنتا: ”نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں خود ضرور آؤں گا۔ بلکہ ہوں کا تو تھج میں ایک دوپھیرے کروں گا۔“

نیگم: ”قسم کھاؤ۔“

بنتا: تمہاری جان کی قسم۔

نیگم: میری جان تو تم ہو۔

بنتا: ”اپنے سر کی قسم۔“

یہ عبد و پیارا ہو کر نیگم سے رخصت ہوا مگر تھج پوچھو تو آن ہی کا جلسہ جلسہ نکاح تھا۔ آن کی ملاقات میں اس کو پورا یقین ہو گیا کہ بنتا پر اس کا جادو چل چکا ہے اور اسی بھروسے پر اس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھونگ ڈالتی ہے نکاح پڑھائے بنتا جانے کا نام نہ لیتا۔ نیگم کے پاس یہ آن کا جانا بنتا کے حق میں غضب ہو گیا۔ اس کو میرتنقی نے ایک حالت پر پایا اور انہوں نے اور عارف نے اس کو تحیل کر کے کچھ دوسر کایا، آن وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

### بنتا اور عارف کا مباحثہ

عارف نے اس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے والا یک ہفتہ تک اس کی خبر نہیں۔ پھر جو ملاقات ہوئی تھی تو بنتا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا۔ پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا؟

بنتا: ”جی باب دوسرے نکاح کی تھی بائی بنتے“

عارف: (چونکر) ”ایں دوسرانکاح چ کبوا۔

بنتا: ”کیا کروں میں بھی آدمی ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل اور دل میں خواہش بہ۔ مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایسا اپنپختی ہے۔ میری زندگی کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جا کر پھر آنٹیں۔ ان باتوں پر نظر کر کے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔“

عارف: ”بیٹھ آسائش جائز کوون منع کر سکتا ہے اور تم پر کیا موقوف ہے۔ تمام آدمی کو شش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی حاصل ہے آسائش۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی آسائش بے یا نہیں۔“

بنتا: ”یہ تجویز کرنا میرا کام ہے۔“

عارف: بس یہ غلط ہے۔ ہم سب ہیں یہاں اور شارٹ بے ہمارا طبیب۔ اگر یہاں کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لیے آپ تجویز کرے تو یہاں یقیناً اپنے نیس ہلاک کرے گا۔

بنتا: ”آپ اطمینان رکھئے میں نے شرمندی کے مطابق اپنی آسائش تجویز کی ہے۔ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں کہ دوسرے نکاح کی تھی بائی بنتے۔ اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لینے یا پانچھویں نکاح پڑھانے کا نام لیتا تھا ہی آپ نے کان کھڑے کئے ہوتے۔“

عارف: ”بواز تعداد نکاح کی نسبت تم نے جس طرح پر اپنا اطمینان کر لیا ہو۔ ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔“

بنتا: ”میں تو آپ کے ادنی شاگردوں کی برادری بھی نہیں کر سکتا۔ میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کو سمجھاؤں مگر تعداد نکاح کی سند تو قرآن کی وہی ایک مشبور آیت ہے، ”وَانْ خَفْصُمُ الْأَتْقَسْطُوا فِي الْيَتَمَى فَإِنْ كَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مُثْنَى وَ ثُلَاثَةٍ وَ رَبِيعَ۔“

عارف: ”ایکن اتنی کے آگے فرماتے ہیں۔ فان خفصم الاتقسطوا فی الیتمی فانکحو ما طاب لكم من

میں برادری نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی کرو۔

اسی سورۃ اوراتی پارے میں اور آگے چال کر، ”ولن تستطیغو ان تعللو این النساء ولو احرتم فلا تمیلوا کل المیل فتند وها کالملعقة“ یعنی تم بقیر اچا ہو گرتم سے یہ ہو ہی نہ سکے گا کہ عورتوں میں برادری کر سکو۔ پس سارے کے سارے بھی ایک طرف اب ان دونوں باتوں کو ملا د کہ برادر نہ کر سکو تو ایک کرو۔ اور تمہارے کئے برادر ہونہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال ہی میں حرمت تعداد و نکاح پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے نزدیک ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بس ایک بی بی کرو۔“

بتایا: ”ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین کو رخنے ڈالے ہیں۔ پیغمبر ﷺ صاحب اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تمام بزرگان دین سب متعدد یہیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو سب سے بہتر ترجیح تھے اور ان کا تمدن بھی بہت زیاد تھا۔ مگر کسی نے تعداد و نکاح کی ممانعت کا نتیجہ نہ نکالا اور ”ولن تستطیغو ان تعلوا این النساء ولو احرتم فلا تمیلوا کل المیل فتند وها کالملعقة“ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس برادری کی نسبت ارشاد بے کرم سے ہو ہی نہیں سکے گی۔ وہ پوری پوری برادری ہے۔ یعنی عدل حقیقی۔ کیونکہ مطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فرد کامل مراد یعنی ہو گی۔ اور وہ نہیں بے۔ مگر عدل حقیقی اور اسی لیے فرمایا ہے کہ تم سے عدل حقیقی تو ہونہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غصب مت کرو کہ ایک ہی طرف کے ہو رہا اور دوسری کو لٹکا رکھو کہ وہ بچاری حقیقی میں پڑی جھوٹا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل حقیقی کے علاوہ کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل بے اور انسان سے اس کا ہونا ممکن نہیں۔ ایک ادنی درجے کا عدل مجازی بھی بے کہ انسان صرف ایک ہی کانہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبر گیری کرتا رہے۔ پچابا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مجھ کو تو کیس گے تو میں نے مولوی محمد فقیر سے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ پہلی آیت ”وان خفتم الاعللوا فواحته“ میں عدل سے مجازی مراد بے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر بے کہ تم ادنی درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور با لکل ایک ہی کے ہو رہے گے تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہیے اور اگر تعداد و نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعت ہوئی تعلیق بالحال اور اگرچہ اس آیت میں بھی مطلق عدل بے اور جائیے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو۔ مگر دوسری آیت ”ما بعد ولن تستطیغو...الخ...“ ترییہ صاف موجود ہے اور اگر خدا کو تعداد و نکاح کی ممانعت منظور ہوئی تو تعلیق بالحال کا بیرونی اختیار کرنا کیا ضروری تھا۔ صاف صاف کہ دینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ کر سکو تو ایک کرو کیونکہ یہ تو ایک ہی تھا کہ عدل حقیقی مقدر بشرنہیں اگر ”وان خفتم الاعللوا“ سے ممانعت تعداد و نکاح مراد

ہو تو معاذ اللہ اس آیت کی ایسی مثال ہو گی کہ پوچھیں ناک کہاں بے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گدی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہے۔“

عارف: ”اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیر نے اس مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت درست سمجھا۔ مگر پیغمبر ﷺ صاحب سے ہوتم نے استشہاد کیا اس کو میں نہیں مانتا۔ یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں۔ پیغمبر ﷺ صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں۔ پیغمبر ﷺ صاحب کے لیے سورا احزاب میں ایک اپرا رکوع موجود ہے۔“

یا ایها النبی ﷺ انا احللنا لک اذواجک اکلاذی اتیت اجورہن ...“ الخ۔

پیغمبر ﷺ صاحب کے لیے چار یہیوں کی قید نہیں اور اگرچہ آنحضرت ﷺ ازو ان طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے ان پر اس کو بھی الازم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس روکوٹ میں یہ آیت ہے ”ترجی من تشامنہن و تودی اليک من تشاء و من البشغیت ممن عزلت فلا جناح عليك“ یعنی اپنی یہیوں میں جس کو چاہو اپنے سے جدار کھو اور جس کو چاہو بھٹا کر پھر بالا اتو تم کو کچھ گناہ نہیں۔ اسی طرح پیغمبر ﷺ صاحب کو بالا مہر بھی نکاح کر لیما جائز تھا۔ اور یہ باتیں خصائص نبوی ﷺ میں سے ہیں اور کیا مصلحتیں پیغمبر ﷺ صاحب کے ان ذاتی معاملات میں مضر تھیں اس کی تفصیل بے جس کے بیان کرنے کو بڑی فراست چاہیے۔ اسی طرح صحابہ وغیرہ سے استشہاد کرنے میں درست نہیں سمجھتا۔“

بتایا: ”مذہباً، یا عقلاً؟

عارف: ”یہ تو تم نے عجیب غوبات پوچھی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب مختلف عقل باطل مختلف مذاہب مگر اہ“

بتایا: ”جس چیز کے جواز کے لیے نص قرآنی موجود ہے۔ اس سے آپ کو مخالفت کرنے کا سبب۔“

عارف: ”بات یہ ہے کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرت کے قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں۔ نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور اعلان اور اظہار اور جمعت اور رضا ش وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر ان احکام کی پوری پوری تمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن و شوہر میں اس سے بہتر معاشرت ہونہیں سکتی۔ مگر خرابی کیا آ کر پڑی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرز معاشرت کو آدھا تیسر اور آدھا تیسر بنالیا ہے۔ مثلاً پر دہ چلو باشبہ اسلام کا حکم ہے کہ یہیاں پر دہ کریں اور اس میں شک نہیں کہ ایک پردے سے بزار بہا

مخدوں کا انسداد ہوتا ہے۔ مگر جس تجھی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کر لیا ہے۔ افراط بے حد شریع سے متجاوز پرده نہیں ہے۔ مگر قید اور قید جس قدر رخت اسی قدر راید اور نکاح ایک ایسا معابدہ کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگی کی کامیابی اور تاکامیابی راحت اور تکالیف خوشی اور ناخوشی اسی پر موقوف ہے۔ معابدہ تو ایسا ہم تمباشان اور معابدہ کرنے والے جن کو اس کا نباد کرتا ہے اور جن پر اس معابدے کا اثر مرتب ہو گا۔ اس سے بے تعلق کیونکہ اکثر تو معابدہ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اس کے نتائج کے سمجھنے کی الیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہے تو اظہار رائے کر کے بے شرم اور بے غیرت اور منہ بولا کون کہلانے۔ پس معابدہ نکاح تو کرتے ہیں۔ مثلاً زید اور ہندہ ایجاد اور قبول کرتے ہیں اور ان کے ولی۔ حکم کھلاپوری آزادی تو نکاح کے معاملہ میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رو گئے دبے دبائے اشارے کنائے وہ بھی مردوں کے لیے بد نمائی ہے اور عورتوں کے لیے نصیحت اور رسائی سب سے بڑا خلماں جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہے یہ ہے کہ یہود کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے، ہزار بال اللہ کی بندیاں ہیں کہ انہوں نے شوہر کامنہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رامڑ ہو گئیں۔ ہندوؤں کی طرح مت ہو کر ایک بار کا جل مرنا۔ ماری تمر کے جا پے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت سے کیوں کر ہوں۔ دنیا میں ناک کلتی ہے۔ دوسرا نکاح کس طرح کریں۔ غرض جیتنی ہیں تو لطف حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں تو اس کا مطلب انکا کہ شارع نے جو حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت مرد اور عورت میں شارع کو رکھنی منظور تھی کیونکہ باقی رہ سکتی ہے اور وہ نسبت کیا تھی۔ اس کے لیے میں تمہارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ ”ولَيَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ  
بِالْمَعْرُوفِ وَلِلْمُرْجَالِ عَلَيْهِنَّ درجتہ“ یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ بتاتا ہے۔ میں تو نہ بہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جو رویں اگر زبردستی ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے یہود عورتوں کی بیان کی اس سے بدتر ہماری ہو گی۔ یہود عورت کو تو خیر صبر کرنے کے لیے ایک بات بھی ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ ہمیں یہ کیا مصیبت ہے نہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا، بات کرنے کی طرف طبیعت رغبت نہیں کرتی اور آپ سمجھتے ہیں کہ زبردستی اس کے ساتھ عاشقی کرو۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی ہتھیڑی ہے تو اس کو اختیار بے دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھوٹکے بندگی و بے چارگی۔ مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے نہ ہوئی بننے ہو گی۔

عارف: بالاشبہ تم مغلوب طبیعت ہو رہا ہے اور جب تک تمہاری یہ حالت رب کی حقیقت میں تم سے خلاف طبیعت کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔

بتاب: اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا، کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتائیے۔

عارف: وجود پیر مجھ کو معلوم تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اس کے بتانے میں درفعہ نہیں کیا۔ پھر پھر تک تمہارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تو لا جواب ہو گئے۔ اور چلتے چلتے تم سے کہتا گیا۔ کہ تم ان باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجبات کے پاس نہ جاتا۔ تم یوں سمجھو کر حسن پرستی مرض بے سوچنا دوا اور موجبات ترشیب سے دور رہنا پر ہیز۔ بھائی مرض جسمانی بھی اگر مزمن ہوتا ہے تو اس کو جلد صحت نہیں ہوتی۔ اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لیے پہیز کرنا پڑتا ہے۔ یہی حال بے امراض روحاں کا جن کا دوسرا نام بے بری لٹ بد عادت تمہارا عالم تمہارے ہی باتحہ میں ہے۔ کرو تو تم قرآن کررو تو تم۔

بتاب: آپ تو تعدد نکاح میں چند در چند طرح کے خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگان دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہیں۔

عارف: جب ایک بات کی صراحة ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں، ایک اور دوسرے یہ معالمات ہیں شخصی، جب تک کسی کو طبیعت کیفیت حالت ضرورت کا کچھ حال معلوم نہ ہو، ہم بری یا جعلی کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لیے اس کی آزادی کو عمل میں لاتے تھے۔ وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضائقہ نہیں کرتے تھے۔ ہماری طرح ان کا معاهدہ نکاح مرے بھرنے کا معاهدہ نہ تھا۔ ذرا سی ناموافقت ہوئی۔ مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لیا۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے ہیں۔ ان کو معاهدہ نکاح کا فتح کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا ہیب نہ دوسرے نکاح کی عارتوں کی آزادی حق بجانب ہم کیا ان کی ریس کر سکتے ہیں کہ ہماری یہیاں لوڈ یوں سے بڑھ کر بے اختیار دائم لجس، تاک چونی گرفتار اور پھر تعدد نکاح سے یہیاں جو بے لطفیاں اور بد مزگیاں خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تو بزرگان دین کو بھی اس سے نجات نہ تھی۔ امہات المؤمنین یعنی پیغمبر ﷺ صاحب کی ازوں مطہرات میں باوجود یہ کہ دنیا کے عیش و آرام میں کسی کو میسر نہ تھے۔ تاہم فقر و فاقہ میں باہم و یسے ہی محاسدات تھے۔ جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ سُنی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کر دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول ﷺ ایک اور پھر آپس میں اس درجے کی عداوت اگرچہ پوچھو تو متضرع ہے۔ ان ہی محاسدات پر پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں جن کے لیے نے حضرت فاطمۃ

انہرہ پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکابری کے پاس ان کے پہلے شوہر کا بڑا سرما یہ تھا۔ جس کو انہوں نے تجارت میں لگا رکھا تھا۔ ان کو ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی۔ انہوں نے البشّت سے بہت پہلے کامڈ کورنے پر حضرت محمد ﷺ کی دیانت امامت راست بازی کا حال سن کر ان کو اپنی تجارت کے کام میں لگایا۔ اللہ نے حضرت کی نیک نیت سے تجارت میں بڑھ کر برکت دی۔ حضرت خدیجہؓ نے حسن کا رگزاری سے خوش ہو کر ان کے ساتھ نکاح پڑھ لیا۔ اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ نے دنیا دار تھے البتہ حضرت کی زیادہ وقت کرنے لگے پھر جب حضرت کا راز بعثت نزدیک آیا۔ تو خوارق عادات پیش آنے لگے۔ کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے، کبھی درخت ان کو سلام کرتے، کبھی غیب سے آواز آتی، ان واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرت خدیجہؓ پر اس تمام حقیقت کو ظاہر کیا۔ حضرت خدیجہؓ تھیں بڑی بادشاہی بی اور ان کے گھر میں صفائیا، اور تورات کی تاوات کا بڑا اچھا چاہتا۔ انہوں نے سن کر حضرت کو بڑی تنسی دی کہ تم خدا تر س آدمی ہو۔ بیوہ عورتوں اور بیتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں جو تو رات کے بڑے عالم تھے۔ پیغمبر آنحضرت مصطفیٰ کی پیش گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رب تھے انہوں نے حضرت کو دیکھا اور ان کی حقیقت سنی تو پیچاں گئے اور صاف کہہ دیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ نہ در ہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا تصدیک بھی تو نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ وفات کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد یہاں کیس جن میں سے زیادہ عزیز اور سر بر آور دو حضرت ابوکبرؓ کی بیٹی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ رشتہ میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی۔ اس سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹانا بے کہ حضرت عائشہؓ کا اعزز تمام ازوanon طاہرات پر مشتاق تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تین اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کی جگہ سمجھتی تھیں اور ان کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہ بنے فی الاصل سنی اور شیعہ کی بنیاد جنہوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب کو دنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی کے ساتھ کچھ انس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے۔ باقاعدہ معمم یعنی تفصیلی اور نسیری اور کیا خوارق ثبوت کر یہاں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ بی بی بی کی جگہ اور بیٹی بیٹی کی جگہ یہاں تک درست بے مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں کہ خاندان بیوت میں کسی کو کسی سے کسی طرح کاملاً نہ تھا۔ بس سنیوں کی بات دل کو نہیں لگتی۔ میں بھی سنی ہوں مگر میرے نزدیک پھوٹ اور ناقابلی بے شک تھی تاہم اس سے ان بزرگوں کی مذہبیہ شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ یہ تناضال بشریت بے اور کیوں کسی کی دین داری میں بشریت سے بٹا لگنے لگا جب کہ پیغمبر صاحبؓ نے اپنی شان میں فرمایا ہو انما انا بشر مثلکم یوحی الی میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں۔ فرق صرف اتنا بہ کہ

مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ غرض اس طول مقام سے یہ بے کہ جو بے لطفیاں تعدد نکاح کوالازم ہیں۔ خاندان نبوت بھی ان سے محفوظ نہیں رہا وسر اکس گنتی میں بے۔

بُتلا! اب بھی مجھ کو کون سا لطف حاصل ہے۔

عارف: تم آگ کے جلے ہوئے کو سینتے ہو۔ یعنی ایک بے لطفی کو دوسرا بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو، مگر ممکن ہے یہ دوسرا بے لطفی آخر میں اس پہلی بے لطفی سے زیادہ شاق ہو۔

بُتلا! اس وقت جیسا موئیں ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں ابھی سے فکر مستقبل کر کے اپنے زندگی کو کیوں تلاخ کرو۔

عارف: تو اب حقیقت میں میری ملاقات ادا حاصل ہے۔ مگر میں اتنا کہہ دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھائیں کرتے۔ افسوس کہ تم نے مجھ کو جناب میری متنی صاحب سے شرمندہ کیا۔ یہ کہہ کر عارف بے کمال نارضامندی اٹھ کر چلا

گیا۔

## بنتا کا دوسرا نکاح

بنتا کے سر پر ان دونوں ایسا جن سور تھا کہ اس کی عقل ہی نہ کانے تھی۔ عارف سے یہچا چھڑا وہ پھر بیگم کے گھنٹے سے جا لگا۔ وہ تو پہلے ہی سے اس کے لیے جال پھیلائے تھی۔ جانا تھا کہ اس پر چھا گئی۔ بیگم باطیع زیادہ تو اس بات کی طرف راغب تھی کہ بنتا آشنا تھی کے طور پر اس کو گھر میں ڈال لے۔ مگر میر مفتی اور عارف کی تعلیم کا بنتا پر اتنا تو اثر ہوا کہ اس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلق رکھنے کو پسند نہ کیا۔ پاس تھی مسجد دو طالب علموں کو بلا بھیجا۔ نکاح پڑھا جانے لگا۔ مہر میں ہوا اختلاف۔ بنتا نے چاہا شریع محمدی۔ بیگم نے کہا جو غیرت بیگم کا مہر دے میرا مہر، جیسی نکاحی بی بی دو دیسی نکاحی بی بی میں۔ دیر تک اس میں تکرار ہوتی رہی۔ آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھات تھے یوں لے: جانے دو مہر مثل رکھو بنتا تو نیم راضی ہو چکا تھا۔ مگر بیگم مہر مثل کے نام سے جھینپتی تھی کیونکہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہر مثل ہو دادی اور پوچھیاں ساری عمر خرچیاں کہانی رہیں، مہر مثل آئے تو کہاں سے آئے۔ ناچار مہر شریع محمدی ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے۔ ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے تھے۔ دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ پایا وہ کیا غصب کے دو اخھر تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور ادھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے نکاح کے بعد پہلی جوبات کی ودیہ تھی کہ یہ مکان جس میں میں رہتی ہوں تم کو معلوم بے کہ کرائے کا بے۔ اور جتنا ساز و سامان جو تم یہاں دیکھتے ہو۔ یہاں تک کہ میرے باتھ کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں۔ میری سگی خالہ میرے ساتھ ہیں، یہ سب ان کا مال بے۔ ان کی ہر گز مرضی نہ تھی کہ میں نکاح کروں اب جو میں نے ان کو تاریخ کر کے کیا بے تو ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ خالہ بندی میرے پاس ٹھہر نے والی نہیں اور مجھ کو اس وقت کہیں لے چلتے ہو تو میں تیار ہوں، اپنی آپ و کاپاں کر کے گہنا کپڑا تو بہتيرا پہناؤ گے اور میں پہنؤں گی مگر لے کر چنان بتو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے پہناؤ کر لے چلو۔ اور دو چار دن کے لیے یہاں ٹھہر نے کی صلاح بے تو جا کر خالہ سے اجازت لے لو۔ میں ان کے سامنے نہیں جا سکتی۔

بنتا نکاح کے لیے تو بڑا مستحب تھا مگر حمق نے پہلے سے اتنا بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لے جا کر رکھوں گا اور کیونکہ اس نے گھر کا انتظام ہو گا۔

اب جو دفعہ اس کو معلوم ہوا کہ بیگم بے سر و سامان بخشن بیک بینی و دو گوش اس کے سر پڑی تو بہت سث پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی ملا تھا تو میں کر لیا کرتا تھا، طبیعت کو اس کے لیے بھی حاصل نہ پایا۔ یہ حقیقت تھی۔ اس خواہش کی جس کے پیچھے بنتا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین اس کو کچھ نہیں سو جھتا تھا۔ اب ایک ذرا ساتر دو پیش آ گیا تو کہیں اس

خواہش کا پتہ نہ تھا۔ میر منقی اور عارف اس کو بیسی تو سمجھاتے تھے۔ کہ کس فکرِ خسیں میں پڑے ہو۔ فکر کرنے کی باتیں دوسرا ہیں عدم اونچی اور ضروری۔ اگر ان میں دل لگاؤ تو اس فکر بہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پرانی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اس کو شرم آئی۔ آخر وہ یہ کہ کر اٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندو بست کر کے تم کو لے چتا ہوں تیار ہو۔ ایک بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزان اُگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختہ مشق مغالطات رہتے ہیں۔ بتا کو بھی یعنی وقت پر غضب کی سوچتی تھی۔ جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا۔ کوئی بات اس کے ذہن میں نہ تھی۔ اٹھ کر باہر آتا تھا کہ اس نے اپنے دل میں کہا۔ بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زمان خانے میں بلکہ غیرت بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات چھپنے والی تو بے نہیں۔ آخر کھنچی نہ کھنچی کھلے گی ضرور پس جو کچھ ہوتا ہے وہ پرسوں کا اور کل کا ہوتا آت ہو چکے۔ یہ دل میں ٹھان و گھر کی طرف چا آ رہا تھا کہ راہ میں اس کو اپنے گھر کی دعویٰ تیں ملیں ماما، ماما کے ساتھ انا، انا کی گود میں بتا کی دو دھمکیں ہوئی دس گیارہ مہینے کی نہیں پچھی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ بتا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہو گئی اور سننے کے ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر پل گئیں۔ اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں۔ گھبرا کر پوچھا۔

ماما بولی نہیں پچھی کاجی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہور بابے کہ بخار کسی وقت نہیں اترتا۔ کل شام سے مطلق آنکنہ نہیں کھلے۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی بے کرد پہر سے دو دھمکیں منہ میں نہ پہنچیں۔ متوكل شاد صاحب کے پاس دم کرانے کے لیے جاتے ہیں۔

بتا کی ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی۔ بتا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ بخار بڑے زور کا بن گکر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں کچلیاں پھول رہی ہیں۔ میں موزھا کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بیچن دینا عرق دوں گا۔ گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچ پانا پیسنا آ کرت پ اتر جائے گا۔ اور دو دھمکو خدا نے چاپا لڑکی ابھی پینے لگے گی۔ موزھے کی تکمیل کے مارے منہ نہیں چاکتی۔ یہ کہہ کر نشرت نکال موزھا کھول دیا۔ اتنا نے پیچھے موز کر دو دھمکا لگایا تو غث غث پینے کی آواز آ نے لگی۔ سب اُگ خوشی خوشی گھروپس آئے۔ جب مردانے میں پہنچا تو بتا نے لڑکی کو آپ لے لیا۔ یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا۔ اس بنا کی باتیں جیسے بنتا لے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا اس کو دیکھتا تو گود میں اٹھا لیتا۔ بتا نے کبھی بھول کر بھی آنکھو اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ بلکہ وہ پچھے جب اس کو دیکھتا ابا ابا کہہ کر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اس کو جھٹک دیتا۔ خلاف عادت بیٹی گود میں لیتے ہوئے جو گھر میں گھسا غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریکھ گئی۔ اور بیٹی کو لینے کے لیے دوڑی اور لگنی پوچھنے کے میں نے تو اس کو دم کرانے کے لیے بھیجا تھا۔ کیا تم

اس کو اتنا پھرالائے؟ تم کو خبر بھی بے اس کی کچلیاں نکل رہی ہیں اور کچلیوں کا تو معمول بے بچے کو کچا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں۔ میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ اس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہے اور بخار کے لیے عرق دینے کو کہا ہے۔ شیشی بھیج دو۔ ماما جا کر عرق لے آئے۔ خدا نے چاہا آن ہی رات کو بخار بھی اتر جائے گا اور کچلی کو تو بھجو نکل آئی۔

**غیرت نیگم:** اے بے کیا مسوڑھ کو جیر الگایا ہے۔

بتا: ”کچھ خوف کی بات نہیں۔ ان سے پوچھو کر لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اسی وقت تو اس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکشے کو ہوتا ہے تو مسوڑھا پبلے سے مردار پڑ جاتا ہے۔ اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی۔ کچھ خدا کو بہتری کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہو گئی۔ ورنہ آن رات بھر معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔“

غیرت نیگم نے لڑکی کا منہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی۔ پکارا بتول: تو ماس کی آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھ کر مسکرانی بھی۔ ماس نے پیار کر کے انا کی گود میں دیا تو پھر دودھ پیا۔ یہ دیکھ کر غیرت نیگم بولی کہ نہنچے بچوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے اور پالوں کو کیونکر معلوم ہو کر ان کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر کر اچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں بساندی بساندی بولکا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب یہیں کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہے۔

بتا: ڈاکٹر نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سن کر کہ دیا تھا کہ دانت نکل رہا ہو گا۔ پھر جو منہ کھول کر دیکھا تو حقیقت میں دور سے کچلی صاف جملک رہی تھی۔

نیگم: مگر میں کوئی بڑا بوزھا ہوتا ان باتوں کا دھیان رکھے۔ بچہ ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے ہوش و حواس ملکانے نہیں رہتے۔ اواب تو مغرب کی اذان تو ہو چکی ہو گئی یا ہورہی ہو گئی۔ لڑکی کے جملکے میں کھانے کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا۔ گوشت کا تو اب وقت نہیں رہا۔ کہو تو خاگینہ پکاؤں۔“

بتا: جو تمہارے جی میں آئے پکاؤ۔ مگر خدا کے لیے کوئی سایقہ مند عورت ضرور رکھو۔

غیرت نیگم: ماما دل کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑبے کے دو اکے لیے بھی نیسر نہیں۔ جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں مگر بیٹھے ہی گوئے کناریاں نہیں ہیں۔ یا مسلمانی کا سیتی ہیں۔ نوکری پرائی تا بعداری کرے ان کی بلا۔ اور ان سے یہ کام ہونہیں سکتا۔ انہوں نے سر پڑا اما بر قعہ اور جدھر کو منہ اٹھا چل کھڑی ہوئیں۔ پھر چھکھڑی بھیک مانگی لدی پچھلی گھروٹ آئیں۔

بتا: ”لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت بے جواب بچوں کی خبر گیری کرے۔ وقت پر ان کا

باتھ منہ دھائے۔ کھانا کھائے۔ کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اٹھائے۔ غرض دار و غد کی طرح گھر کے سارے انتظام کی گئرانی کر کے تم کو آسائش پہنچائے۔“

غیرت بیگم: ”تم ہی کوئی اس طرح کی عورت ڈھونڈ کر نہیں لادیتے۔“

بیتا: ”لاؤں تو رکھو گی اور کیا تխواہ دو گی؟“

غیرت بیگم: ”ضرور رکھوں گی اور تخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا۔“

بیتا: ”خیر اتنی ہی تخواہ دینا۔ گھر خاطر داری رکھنا۔ تھنوں کی ایک عورت ب۔ خدا جانے کس تباہی میں آ کر بیہاں چل آئی ب۔ اگر پہنچا پر ان ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہننا کرنا بھی اس کو لے آؤں۔“

غیرت بیگم نے جلدی سے گھر تری کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ بیتا کپڑے لے بیگم کے پاس پہنچا اور اس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چانے کی راونکالی ب۔ مجھے انہیں بینی کا حال معلوم بے۔ وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچیحی نہیں بلکہ اس میں عقل کی بھی کوتاہی بے صورت تو خیر، تم چل کر دیجئے لوگی۔ گھر عقل کی کوتاہی اس سے ظاہر بے کہ اس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے۔ پس تم کو چند روز البتہ بے عزتی کا تھس کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد مجھے کامل یقین بے کہ تم گھروالی ہو گی اور وہ رب گی تو تمہاری خدمت کرے گی یا اپنے میکے چل جائے گی۔

غرض غیرت بیگم کا اتنا رن پس منعز ماما دار و غد کا بھیں بنا بیگم بیتا کے گھر جا داخل ہوئی۔ بھلے Manus کی بیوی بیٹیوں کی طرح دبی، بھکی، سکڑی، تمٹی، بیتا کتو اتنی جرات نہ ہو سکی کہ خود لے جا کر غیرت بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے کے اندر کر کے اتنا پکار دیا اوصاح! یہ دار و غد آتی بے۔ اور آپ مردانے میں جا بیٹھا۔ بیگم نے اپنے قیمتی سنبھالا بہت گلروہ جس قدر اپنے تیئیں چھپاتی تھیں اسی قدر اس کا پر دو فاش ہو جاتا تھا۔ آئی تو نوکروں کے نام سے او عورتوں میں نیٹھی، دہنوں کی طرح گھونگھٹ نکال کر رات کا وقت تھا۔ غیرت بیگم نے کبادڑا روشنی قریب لاؤ تو ان کی صورت اچھی طرح نظر آئے۔ جوں غیرت بیگم نے زبردستی کا منہ کھوا۔ دیکھتی کیا بے کہ ایک عورت جوان مانچے پر انشاں پتی ہوئی، پیاں جھی ہوئیں، اٹھے بل کی چوٹی اور اس میں چھپا کا موباف۔ کانوں میں چینیلیں کی کلیاں، آنکھوں میں دھواں دھار سرمه مسمی کی دھڑی اور دھڑی پر لا کھا۔ باتھ پاؤں میں مہندی دور سے خوشبو پڑی مہبک رہی بے۔ غیرت بیگم دیکھنے کے ساتھ اس طرح ڈر کر پیچھے کو ہٹنی کہ جیسے کوئی پچھے بیچا سے بھاگتا بے۔ اور لگی کہنے اوئی بیوی۔ یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامرا دیکھنی بے پھر تو نہ ملے تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے مل کر بیگم کا ایسا برہڈڑا کیا کہ کوئی دو پڑھاتا رے لیے جاتا بے کوئی پیچھے سے چوٹی گھیٹ رہا۔ مگر کسی رحم دل بی بی نے اس کا باتھ پکڑ کر باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہاں بیوی بوجھر سے

آئی بے اوہرہی کو چل جا۔ وہ تو گھر والی دل کی بڑی نیک بے۔ کوئی اور دوسری ہوتی تو بے تاک چوٹی کامٹے نہ رہتی۔ بتانا ڈیوڑھی کے بازو سے لگایہ تما شاد کیھر باتھا۔ کچھ بُنکی کچھ غصہ۔ نیگم کو دیکھتے ہی بولا: وادا چینی انی گت کرائی۔ باو جو دیکھ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے حیلے سے لیے چلتا ہوں۔ پھر تم کو ایسا بن سنو کر آتا اور اتنا ملبہ چڑا پر دلگانا کیا ضرور تھا۔ سید ہے سمجھا چل آئی ہوتی، نہ کسی کوششہ ہوتا اور نہ چداش لے لے کر کوئی تمبارا مند دیکھتا۔ خیراب ذرا کی ذرا یہاں ٹھہرہو میں تمباری پُش جھاتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے لوگوں کو میرے تمبارے لگاؤ کا شہر ہو۔ بتانا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا اڑکی کا کیا حال ہے۔ انا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے۔ دو بار عرق پاایا اس قدر پسینہ آیا کہ شام سے تین کرتے تبدل چکی ہوں۔

بتانا: ”بس انشاء اللہ اب بخار گیا۔ بارے اب الحمد للہ نج گئیں۔ (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لا ڈا صاحب کھانا تیار ہو تو ملگوا۔ دستِ خوان بچھا عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو بتانا نے پوچھا۔ کیوں صاحب و عورت آئی تھیں۔ غیرت نیگم: ”واہ چوری اور میزہ زوری آت کو بڑے ماموں جان زندہ ہوتے تو اٹے استرے سے مردار کامر منڈ و اکر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لان کالخاڑ پاس آت کیا رسول سے نہیں۔ بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے۔ وہ مرے تو تم کھل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدت توں سے کنچیوں کا چکلہ ہو رہا۔ ایک زنا نہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اس کی تاک میں لگے ہو۔ مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے۔ اپنا اس کا خون ایک کردوں تو۔ ہی۔“

بتانا: ”بے وجہ بے سبب تم اس قدر گرم کیوں ہوتی ہو۔ بھلا اتنا تو جھہو اگر وہ کچھی ہوتی اور فرض کرو کہ اس کو بیان منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے ساتھ مجھ کو اسے گھر میں لانے کی کیا ضرورت تھی ایک اور دوسرے خدا عنقل دے تو سمجھنے کے لیے ایک موٹی بات یہ ہے کہ تمبارے مانگے کپڑے پہن کر کیوں آتی۔“

غیرت نیگم: ”کپڑا اور گہنا تو بے شک اس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوٹی دین معلوم ہوتی تھی۔“

بتانا: تم کو چاہیے تھا کہ مجھ کو بالا کر پوچھتیں۔ اگر میں تمباری لٹھنی نہ کر سکتا۔ تب بھی اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ مجھ پر جتنا پاہتیں خفا ہوئیں۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں وہ آن شاموں شام تک کچھی تھی۔ مگر میں اس کو ایک مدت سے جانتا ہوں، نیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی کہ مجھ کو اس پیش سے سخت نفرت ہے۔ اگر کہیں میری روٹی کاٹھ کانہ لگ جائے تو میں تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکی تھی کہ نور امیر سے ساتھ ہو لی۔ اور پھر کس طرح کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی

انٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمہارا گنگہار بنے۔ مگر جس دن سے بچا با واقعہ تشریف لائے تم میری کوئی ایک بات بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں تو ہے کوئی چیز نہیں اور نا حق بد گمان رہو تو تمہاری خوشی بھلا کرنا تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھ کر دیکھا ہوتا۔ جو شخص آنھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے۔ اس کا حال آنے نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور کھلے گا۔ نوکر سر ایش نہیں بے کہ چھٹ جائے۔ مرضی ہوئی رکھا۔ مرضی نہ ہوئی نہ رکھا۔ مگر چونکہ میرا قدم درمیان بے۔ میں تم سے بات آبھوں صاف یوں بے خطابے قصور تو میں اس کو ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ جائے تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم ابھی کچھ بائس نہ کرتے نہیں پائی تھی کہ بتانا کہ بہما ماجباہر ہریاں ایک عورت کھڑی بے اس کو بالا اور کام کا نہ میں اس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریاں نکالی جا کر پھر آمو جود ہوئی۔ رات گئی تھی۔ زیادہ لوگ کھانپی کر اپنی اپنی جگہ سو ملارہ بے۔ ہریاں بھی تخت پر بے تکیے بے بچھو نے مااؤں میں سوئی۔ صح کو جواٹھے تو پھر لوگوں نے ہریاں کو گھورنا شروع کیا۔ مگر اب اس کا سکھار ہو گیا تھا باس۔ اور تمام شب کی بد خوابی اور رحمت کی تکان سے اس کا جو بن بھی مذہل ہو رہا تھا۔ لوگوں نے کچھ بہت اس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورت کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریاں کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی۔ ہریاں نے جو صح سویرے اٹھ کر دیکھا تو تمام اس باب مولی گاہر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا۔ اس نے خود کھڑے ہو کر جہاں فرش تھا انھوں کرو دالاںوں میں صحپوں میں دریوں میں باور چی خانے میں، یہاں تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی، ٹوکروں نہیں چکڑوں کوڑا انکا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں، جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ صبر کر کے بیٹھ رہتے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں، مٹی کی ہمیں جمعتے جمعتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصل رنگت پچان نہ پڑتی تھی جھڑو دیا تو منوں گرد دروازوں میں جو چلمیں اور پردے بندھتے تھے، ائے سیدھے کاتو کس کو اتیاز تھا، کوئی دھرتک بندھا نہ تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا۔ اور کسی کا لپیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا۔ بتو اتنی تو ٹیق نہیں ہوئی کہ اس کو برادر کر دیں۔ بلکہ کئی پردوں میں سے تو ناخداوں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے۔ گھر میں تخت تو بھیرے ہیں مگر بینخے کے لیے والانوں میں زمین پر بوریے بچھے ہیں۔ بوریوں پر دریاں، دریوں پر چاند نیاں، اونڈیاں اور مانگیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کچھ کے ننگے ننگے پاؤں پر لیے پھرتی ہیں۔ اور چاند نیوں کا مارے دھوں اور چلتے کے یہ حال ہو رہا۔ کہ آنکھاٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ صح سے کھڑے کھڑے ہریاں کو دو پہر ہو گئی تب کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی، والانوں میں اس حساب سے تخت پچھوائے کرتے میں فرش اور ادھر ادھر ماؤں اور اونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ اب چاند نیوں اور تکیوں کے غلاف اور پانگلوں کی چادریوں کی ڈھنڈیا پڑی۔ فاعدہ بے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں تو ہوتا یہی شناخت بے کہ چیزوں کی حفاظت

بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس وقت دھوئی ہوئیں تین چاندنیاں درکار تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بھتیرے پتے بتائے۔ ارے کم بختوں بھی ہفتے عشرے کا ذکر ہے۔ دھو بن چاندنیوں کا گھٹھر لائی۔ وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا۔ لیٹھے کی کوری چاندنی جو چیز کے دلائی میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اس پر سائیں کی دیپھی مبارک قدم کے ہاتھ سے الٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لیے انہوادی تھی، کہاں بے۔ جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کامنہ دیکھتی تھیں اور ایک ایک پر ٹالتی تھیں۔ آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناں کی کوٹھری کی مچان پر پڑی ملیں۔ جن میں چوبوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیئے تھے اور ایک میں کسی مامانے سوکھنکڑے باندھ کر کھونٹی پر لٹکا رکھے تھے۔ اس جستجو میں معلوم ہوا کہئی چاندنیاں باہر سائیں کے پاس ہیں اور وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کومانگے دی تھیں۔ وہ واپس نہیں آئیں۔ میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا۔ غرض اس وقت ہر یاں نے کسی طرح گونٹھ گونٹھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھووا بوربے تھے۔ ان کو کسووا جملی چادریں بچھوادیں۔ تکیوں کے غاف بد لے۔ اجادا دستر خوان لکلوایا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (بتا) کھانے کے لیے آربت ہیں۔ ہر یاں یہ سن کر سامنے سے نلگی۔ باورچی خانے کے آڑ میں ہو گئی۔ بتا نے آ کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بد لی ہوئی تھی۔ سمجھا کہ یہ سب ہر یاں کے تصرفات ہیں۔ دلائی میں بیٹھ کر کھانا مانگا۔ تو باورچی خانے سے دلوٹیاں سائیں کی دو دور کابیاں لے کر چلیں۔ پیچھے سے ایک ماما باتھ میں روٹیوں کی تھی اٹھا کر دوڑی۔ ہر یاں سے نہ رہا گیا۔ عین وقت پر کیا ہو سکتا تھا گرخیر ان جائیوں کو روک کر جلدی جلدی تھاں جوڑ پانی پینے کی صراحی، سینی، سلفی، خاص دان، اگالدان سب چیزیں منجھوائیں۔ سینی کے چیز میں روٹی گرد اگر دسائیں کی رکابیاں جما اور پر سے خوان پوش ڈھک، ایک اونڈی کے سر پر کھا سمجھا دیا کہ دیکھ بردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چنان کہیں ٹھوکرنہ لگے۔ اور دوسرا اونڈی کو سلفی، آفتاب، اجادا دستر خوان دے کر اس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ساتھ دھلا کیو۔ جب جب ساتھ دھوچکیں سلفی آفتاب الگ رکھ کر دونوں کے چیز میں اجادا دستر خوان، بچھائیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اتر و اکروٹیاں چیز میں رکھیو دو قسم کا مامان بے۔ دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھاں جوڑ اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجوائی ہوں۔ جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پاناتو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنی آنکو سے دیکھ لیں اور تھاں مونہ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔

گھر میں چنٹی، اچار، مریبہ، سبھی کچھ تھا مگر دستر خوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا۔ جس کسی کو بھی کسی چیز کا خیال آگیا اور مونہ پچھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا اچار اس کے پاس لے جا کر روٹی پر ایک پھانک رکھ دی۔ ہر یاں نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک رکابی

میں لگا بھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پہنچا دیں۔ کھانے بعد ہاتھ دھونے کا گرم پانی کا آفتاب اور ایک طشتہ میں بیس کھانے کو خاصداں میں بھیگی ہوئی صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھا دیں۔ یہ تو ہر یاں کے پہلے دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے میں بھر کی محنت میں اس نے کپڑے کا، کھانے کا، سامان، خانہ داری کا اندر باہر دونوں گجھ کے نوکروں کا، بازار کے سودا سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سایقہ بھی عجیب چیز ہے۔ اندر باہر عورت مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہر یاں کا ادب کرنے لگے۔ عصوم ایسا بلا کہ دن رات میں ایک دم کے لیے گود سے نہیں اترتا تھا۔ بتوں کی کیا بساط تھی، کیسی ہی بھڑکتی ہوئی آوازنی اور چپکی ہوئی۔ غیرت بیگم کے دل میں اس کی طرف سے شک تھا تو مگر ہر چند نوہ لگائی کوئی بات نہ پکڑ پائی۔ بتا کے گھر میں آنے کے وقت متبر ر تھے، ہر یاں ان وقوں میں اور بدآ کر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر احیا نا بضرورت سامنے چل پھری بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے رخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک بھی نہیں۔ مگر خدا جانے دونوں کا کیا ذہب یا دتحا کہ اتفاقی اچھتی ہوئی ایک نگداں کے حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی۔ نہیں معلوم بتا آنکھوں میں کہہ دیا کرتا تھا کہ ہر یاں برادر سرگرمی اور دل سوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی تھی۔ سچ بے کہ غیرت بیگم کے ساتھ بتا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا۔ بتا کی حسن پرستی اور آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی تھا کہ اس نے بتا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیباں اکثر سمجھا کرتی ہیں کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا تو بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں۔ اب میاں کا کام بے کہ کما کر لائے اور مجھے کھلانے پہنانے۔ میری خاطر داری و مدارت کرے۔ لیکن اس کو اتنی بات اور سمجھنی چاہیے تھی کہ کھانا اور پہنچا خاطر داری و مدارت کرنا۔ سب چیزیں مختلف ہیں رغبت پر رغبت کرنا میاں کا کام اور دلنا تابی بی کا۔ رہی یہ بات کہ بی بی کیوں کرمیاں کو رغبت دلانے۔ اس کے لیے کوئی ایسا قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے۔ کیونکہ ہر ایک کام زمان مختلف اور ہر شخص کی رغبت جدا۔ لیکن بی بی اگر چاہے تو اس کو اپنے میاں کی رغبت کا معلوم کر لیتا کیا مشکل ہے۔ مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ بتا کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا۔ خیر حسن صورت بتا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی۔ مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے اتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی سترائی، ساز و سامان کی درستی، انتظام کی خوبی یہ بھی داخل حسن ہیں اور طبیعت میں سایقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت کے تو زبان کے بلانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا۔ مگر اس نے ان چیزوں کی طرف کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی۔ مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی۔ اسی کو دیکھ کر متنبہ ہوئی ہوتی اس کا اپنا کیا حال تھا۔ کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے بے رخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کٹھی ندارد۔

اوہ بیوں کے تناضے سے دویں پندرہویں سر دھویا بے تو با اوں میں تیل کی خبر نہیں پھولے پھولے روکھے بال دور سے ایسا معلوم ہوتا کہ کڑک ناتھ کڑک مرغی بیٹھی ہے۔ آنکھوں میں سرمد نہیں با تھا پاؤں میں مہندی نہیں، پھول نہیں، عطر نہیں، گونا نہیں، کناری نہیں، غرض عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں، بتا کو پہلے اسکرا دھما، غیرت بیگم کی بے تدبیر بیوں نے اسکرا کو نفرت اور نفرت کو ضد اور ضد کو چڑھا دیا۔ صورت شکل میں ہر یاں کچھ غیرت بیگم سے زیادا چھپی نہ تھی مگر چھٹا نک بھر حسن ہوتا ہے تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جنے لگتا ہے۔ سو غور و پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اب نہ کی گے تھوڑی تھوڑی ملے تو انھا کرمنہ کوں اوں۔ میاں بی بی میں جب اختلاف مزان اس درجے کا ہوتا ان میں صحبت برآ ہونے کی کیا امید۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر موگ دلنے کے لیے آڑا یک سوکن تو آموجو ہوئی۔ ہر یاں کا انتظام دیکھ دیجے کہ غیرت بیگم کا پھوہڑ پن بتا کے دل میں بیٹھا چا جاتا تھا۔

## غیرت بیگم پر اپنی سوکن کے راز کا فاش ہونا

معلوم نہیں بتتا کو کب تک ہریالی کا اس نجح پر رکنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے اطلاع پہنچ کے ایک بُڑھی عورت نوکری کی تاش میں آئی بے۔ اگر حکم ہواند رجیح دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے باتحہ میں تھا۔ غیرت بیگم نے ہریالی سے پچھوایا۔ ہریالی کسی کوٹھری میں خدا جانے کے کام میں مصروف تھی۔ اس نے وہیں سے کہا کیا مصالحتہ غرض وہ عورت اندر آ کر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جائیں گے۔ اور لگی کہنے کے ہریالی بیگم کے پاس آئی ہوں جن کو تمہارے میاں نکاح پر ڈھوا کرنکاں لائے ہیں۔ مدت سے ان کے بیباں اوپر کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے کو آئے ہیں میں ان کی خالہ کے پاس رہی۔ آنے آنھوں دن بے کو وہ بھی تاہنؤ سدھاریں۔ میں نے کہا چلو اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں ان کے مزان سے والتف ہوں، وہ مجھ کو جانتی پہچانتی ہیں انجان جگہ تا بعد اری کرنی کیا ضرور کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں! غیرت بیگم نے باتحہ سے اشارہ کر کے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے کوٹھری میں ہیں۔ وہ عورت اٹھ کر کوٹھری کی طرف چلی۔ دروازے تک پہنچ تھی کہ اتنے میں غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اٹھی وہ عورت ہریالی سے ابھی بات بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ اس نے پہنچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے منہ ہریالی پر دھکیل دیا۔ اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھروالی بے یہ بی بی بے، یہ میری سوکن بے۔ میں رانڈ ہوں یہ سوہاگن بے۔ میں اونڈی ہوں یہ بیگم بے میں چیل ہوں یہ حور بے یہ میاں کی لاڑو بے۔ یہ میاں کی چیوتی بے۔ یہ میاں کے کھجے کی ٹھنڈک بے۔ یہ کھتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ بزرار بالگیاں اور سینکڑوں کو سنے اور دو تھر تھا کہ باری باری سے اس شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ گویا مزدور سڑک کوٹ رہتے ہیں۔ گھر میں بہتری لوٹدیاں اور ماننیں تھیں مگر سیدانی کا جمال دیکھ کر کسی کی بہت نہ پڑ سکی کہ کوٹھری کی طرف رخ کرے۔ سب کی سب بدھوں ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ بمسائے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار سے کھڑی جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھئے بتتا کو دھکلوایا تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹڑوں ٹوں اکیا اوفادا، اس کو اور تو پکھننے سو جھی، گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی منہ میں لگام سے فنگی پیچھے سوار ہو گئی سیدھا پہنچا کچھری میں سید ناظر کے پاس ناظر اتنی گھوڑے پر چڑھ دھرم سے آموجو ہوئے اور اناقی سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین دن کے آئے تھے کچھری ان کے پاس بھی آدمی دوزا دیا کہ آپ بھی جلد آئیے غرض سید حاضر اور بتتا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے غیرت بیگم سید حاضر کے آنے سے پہلے کھڑی اور پڑی اتنا پیٹی اتنا پیٹی کے آخر اس کو نش آ گیا۔ ناظر جس وقت پہنچا بے تو وہ بالکل بے ہوش

پڑی تھی۔ ناظر نے آنے کے ساتھ اس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ سید حاضر اور بتا دنوں آئئے ہیں اس کے بہت دیر بعد غیرت نیگم کو ہوش آیا۔ سب سے زیادہ چوتھے غیرت نیگم کو ہی لگ کر اس نے پیٹ کراپنا سارا بدن چوڑی کی طرح نیلا کر لیا کرتا ہریالی کی بھی کندی خوب ہوئی۔ مگر اس کو گنجی مار لگی تھی۔ بڑھیا اور ہریالی کو ٹھڑی کی دیوار کے پیچے میں آ کر رنج گئی مگر وہی مثل بے کسر فتنہ کو ہٹک لی کا گھاؤ بہت ہوتا تھا۔ دو تین دو بیٹر جو اس پر جھے ہوئے بیٹھ گئے۔ وہ اتنے ہی میں سکیاں لینے لگیں اگر ناظر ہوتا تو کتوالی والے کیاں مقدمے کو بے چالاں کئے رہیں تو بہاء اور اگر حاضر نہ ہوتا تو ناظر اور بتا آپس میں کٹھ مریں۔ پانچ چھوٹے دن کو بیماروں کی دادارو ہوتی رہی۔ اندھنے کے موقع پر آنہ بلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سینکنے کی جگہ پرانے روڑ اور ریہ سے سینکا۔ چھنکری کو دودھ میں جوش کر کے پایا۔ اب کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لیے بتا کو ہریالی سے ملنے کا تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمت گزاری میں لگے تھے اور بتا کھلمن کھلا ہریالی اور اس کی بڑھیا بارے جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے، بتا اور ہریالی نے تو یہ مصلحت گھٹھی کر اب اتنی گھر میں برابری کے داعیہ سے رہنا اور جلوں کو خوب جانا۔ ادھر حاضر ناظر غیرت نیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی۔ ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگے باتح پہلے تھا نے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین ناشیں تو فوجداری میں داغو۔

مداخت بے جا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے دنوں بچوں کے نفقے کی امید پر اور ایک عوامی مہر کا کاغذ کامل القیمت پر دیوانی میں دائر کر غیرت نیگم معاملے مقدمے کچھ تجھی بچھتی نہ تھی۔ وہ اپنی اس ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو سید نگر پہنچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھامیر مقتی صاحب کے خوش چینوں میں اور بات کے انعام کو سوچتا تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھاؤ نہ سر کار دربار میں کسی طرح کی ناش فریاد کرو نہ سید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ، صبر کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو۔ سو کن کا آن تمہاری تقدیر میں تھا سو ہوا۔ اب تمہارے شورو فساد سے بہت ہو گا تو شاید اس گھر سے نکل جائے، مگر تم اپنے میاں کو اس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں، تم جو سید نگر جانے یا افیون کھانے کو کہتی ہو یہ تمہاری نامراوسوں کی میں مراد ہے۔ ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اڑائی اور اڑائی کا ضروری نتیجہ نقصان اور تر دا اور نصیحت اور رسولی، اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک حیاتی تکلیف پہنچ بے، اور تم افیون کھانے کو موجود ہو۔ اڑائی کی صورت میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمہارے ساتھ مجھ کو اور ناظر بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر را پے سے باہر کیوں ہو۔ کیا سوکن تم پر آت آئی بے تمہارا تو بیاہ ہوابے پیچھے اور سوکنیں تمہارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں، تم ہی بتاؤ کہ بتا بھائی کس دن بے سوکن کے رب۔ سارا سید نگر جانتا ہے میں نے تمہاری ملکنی کے وقت بہتر انفل مچایا مگر میری سنتا کون

تھا۔ میں تو تمہارے اُصیبوں کو اتنی دن سے روچکا۔ جس دن تمہاری سمجھ کا پھیر بے۔ ورنہ میں تو حقیقت میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا تھا کہ بتلا بھائی نے نکاح پڑھالیا۔ اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے آوارگی سے توبہ کی، کوئی نہ کوئی سر باز ارخداں خوار پڑا پھر ناہبتر یا ایک کا ہورہنا، اور اس کو اپنا کر لیتا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کر ایک شخص جب تک خلاف شریعت چلتا رہا۔ تم نے ہوں تک نہ کی، اس کا طریقہ شریعت پر آتا تھا کہ تمہارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ ہم تو بھائی ایسے دین والیمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ بتلا بھائی نے تمہارا بڑا الحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمہاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پر دہ فاش نہ کرتیں تو بتلا بھائی اس عورت کے ساتھ اپنے معاملے کو اتنی طرح دبادبایا رہنے دیتے۔ مگر تم نے بیٹھے بھائی سوئی ہوئی بھڑوں کو جگایا۔ ان کو حیلہ باتھا آیا اب اگر وہ اس عورت کی اور بڑھیا کی دلجنوئی اور خبرگیری نہ کرتے تو سارا گھر کچھ کچھ پھرتا میں نے تو جس وقت آ کر بڑھیا کو دیکھا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ باتھ پاؤں ٹھنڈے رف، چہرے کی رنگت متغیر، میں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پہنچا کر اس کا سانس پیٹ میں نہیں ساتا۔ پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپٹر مارا۔ یا ٹھکرایا اور قلی ذر امر گیا۔ غیرت نیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور تم اس طرح دست درازی کرو گئی، تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوادو گئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پند بد نصیب بندے یعنی دونوں ہاتھوں ہاٹھیا جو تمہارے اختیار میں ہیں تم حق نا حق اپنا غصہ ان پر نکالتی رہتی ہو۔ یہ بے چاریاں تمہارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی اٹھی سے ہائکے جاتے ہیں، سو کن اور بڑھیا دونوں کو اٹھا کر پیٹ ڈالا۔ گویا وہ تمہاری اونڈی ہے۔ اور یہ تمہاری باندی وہ تو خدا نے اتنی خیر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آپنے میاں ناظر کان کے ملاحظے سے کتوالی والوں نے تھوپ تھا پ کر دی۔ ورنہ ساری شیخی کر کری ہو جاتی۔ کہ سادات سید نگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کو توالی کے چھوٹرے پر دھری ہوتی۔ صد آفرین بے، تمہاری سو کن پر بے تو ذات کی کچنی گر بڑی ضبط کی آ دی بے، کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہے۔ مگر چلی مارکھایا کی اور الٹ کرافٹ تک نہ کی، کیوں غیرت! جیسا تم نے اس کو مارا تھا، اگر وہ بھی برادری سے مارتی تو ہماری عزت دو کوڑی کی ہو جاتی۔ مگر اتنا فائدہ تو ضرور تھا کہ پھر تمہارا باتھ کسی پر نہ اٹھتا، سید حاضر نے ناظر اور غیرت نیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ من پڑا اور دونوں اپنا اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں، جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو اس کی قسمیں میں نہ مجھ کو عذر رہے، اور نہ آپ کو۔ یہ معاملہ ناموں کا ہے اور بھائی، ہنہوں کی ناموں کچھ جدا گانہ میں ہوتی۔ اس میں رتی برادر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے، آپ کے حق میں بہتر ہی کریں گے، سید حاضر

نے کہا۔ اس تو مجھ کو بتلا بھائی سے دو باتیں کر لینے دو۔ انشاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں یہی میں صفائی ہو جائے۔ ایسا موقع تک کر جب بتلا مردانے میں اکیا تھا، سید حاضر خود اس کے پاس گئے، جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی۔ حاظر اور ناظر دونوں کی طرف سے برے ہی برے خیالات بتلا کے دل میں گزرتے تھے، اس کو ساری عمر کبھی پچھری جانے کا انتقال نہیں ہوا۔ بس پچھری کے نام سے اس کا دم فنا ہوتا تھا۔ اور حاضر اور ناظر دونوں کو خصوصاً ناظر کو پچھری ایسی تھی جیسے پھٹلی کوتا لا ب، مویشی کو تھان پرند کو گھونسلہ، عورت کو میکہ، باو جو یکسر تا سر قصور غیرت بیگم کا تھا، مگر بتلا اللادچور کی طرح سہا جاتا تھا کہ دیکھتے یہ بھائی بہن کی کی دن سے کمیاں کر رہتے ہیں۔ کیا فساد کھڑا کرتے ہیں۔ اس کے دوست آشناوں میں بھی کسی نے اس کو کوتوالی اور نوجاری میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی، مگر یہ چند اس کو مردوانہ تھے، پچھری کا نام آیا اور اس کا رنگ فتن ہوا۔ وہ بگز بگز کر ایک ایک منت کرتا تھا کہ یار و مجھ سے مدعی بننے کی تو قت مت کرو۔ کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر ناش کریں۔ اور کریں گے ہی تو مجھ کو حاکم کے روپ و نہ جانا پڑے، تھیرا لوگ سمجھاتے تھے، کہ ان کی طرف سے ناش کے ہونے کی کوئی روادنیں، اور فرض کیا ناش ہو بھی تو تم اپنی طرف سے جواب دہی کے لیے منتار کیل کھڑا کر دینا، بلکہ بعض شرط باندھتے تھے کہ اگر ناش ہو اور خدا نخواستہم پر کسی طرح کی آنج آجائے تو حاکم جو سزا نہیں کھانے کرے اس کی چوگنی ہم بھگتے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوا لو۔ بتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو۔ ارے میاں، وہ اس بنا کا آدمی نہ۔ کہ پچھاوا بے چارے کسی لینے میں نہیں دینے میں نہیں۔ اس نے دل پر کھاتا تو شہر سے نکلا کر چھوڑا۔ بتلا کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہر یاں اور اس کی بڑھیا کی مرہم پڑی کی ضرورت سے کھڑے کھڑے گھر میں جاتا تو اٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا تا دیکھو کہیں سر کار سے طبلی تو نہیں آئی۔

اتنے دن نہ تو اس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا، اگر تھوڑے دن اور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو بتلا اس قدر پر پیشان تھا کہ وہ ابتدا کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لیے رہا۔ تو ان لوگوں کی نارضا مندی کے خیال سے اس کو جرات نہیں ہوئی، سید حاضر کو دور سے آتا ہوا کیکر کھڑا تو ہو گیا، مگر اس وقت تک اس کے دل میں کھکھا تھا کہ ان کا آنا خالی از علت نہیں۔ جب سید حاضر نے قریب پہنچ کر معانقے کے لیے باتھ پھیلائے تو اس کو طمیانہ ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن پر پیشانی کو یاد کر کے خوب رویا۔ سید حاضر کا جی بھر آیا۔ کہ دیکھو گھر میں خدا کے نصل سے سب طرح کی فراغت ب ایک چھوڑ دو دو یہیاں ہیں۔ بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لٹ جو اپنے پیچھے لگالی ب، تو زندگی کیا تلذیح سے گزرتی ب، معانقے کے بعد دونوں بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا۔ بتلا بھائی یہ نیا رشتہ نہیں کیا ہوا ب کہ وہ پرانا رشتہ بھی اس کے پیچھے کیا گزر ہوا۔ دیہات کا کم بخت کیا رہا

وستور بے کہ ہم تو بہن کے گھر پر باضورت آئیں سکتے۔ اب تمہاری ہی طرف سے ملاقات ہوتا ہو۔ سید نگر تو بھاتم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آنے آجھوں دنوں وقت یہاں آتا ہوں۔ تم کو دو چار بار دیکھا بھی، مگر تمہارا رخ نہ پایا۔ آخر آن جھس سے رہانے گیا۔ تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیش قدمی کر کے تم سے ملوں، بتا! کیا کہوں میں نہ امانت کی وجہ سے نہیں مل سکا۔ ”نمادامت کیا بات بے اعورتیں ناقصات لعقل آپس میں اڑا جگڑا ہی کرتی ہیں۔ اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گزر ہو۔

بتلا: آپ پر ثابت تو ہو گیا ہو گا کہ زیادتی کس کی تھی۔

حاضر: اس معاملے میں میرامند نہ کھلواو۔ میں تم سے کہی ہی سچی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی جھوگے کہ بہن کی طرف داری کرتا ہے۔

بتلا: میں نے آپ کی تدبیح کی تعریف اور کسی سے بھی نہیں چھپا دا سے سنی ہے میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر رہی نہیں سکتا۔

حاضر: دوسرا نکاح تو تم کریں چکے۔ اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے جلدی کیا بے جا کیا فضول بے مناسب کیا، خوب کیا۔ اور ضرور کرنا چاہیے تھا۔ تم ہمارا طرز زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہہٹ کے قتل کے سب کے خلاف تھا۔ بڑی خوشی کی بات بے کہ تم نے اس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمہاری یہ توبہ پہاڑ کی طرح مشتمل ہو، بھاری بھر کم ہو، مضبوط ہو، اُنل ہو، مگر مجھ کو اس بات کا اندر یہ نہ ہے کہ ایک مگر کو تم اٹھانے سکے، جوڑی تم سے کیونکر ملائی جائے گی۔ تمہاری وہی مثل بے کہ تصور سے بچنے کے لیے بھاڑ میں گرے دو یہیوں کا رکھنا۔ جمع بین انقیشیں کچھ آسان کام نہیں، تم نے ایسی ہندیا پکائی بے کہ یہ واقعہ جو پیش آیا۔ اس کا پہلا ابال ہے۔ جب کمر جن کی نوبت آئے گی تو اصل مزدہ معلوم ہو جائے گا۔ یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاسداری سے نہیں کہتا۔ بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کی قدر و وقعت کو مطلق نہیں پہچانا۔ غیرت بیگم خدا خواستہ (برامت ماننا) تمہاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری عورت نہیں۔ وہ ایسے جتنے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان کی بیٹی ہے کہ جہاں اس کا پیسہ نہ گرے آن سید نگر میں کم سے کم دوسرا دمی انگلیں گے، جو اپنا خون بھانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزت اور آبرو اور ناموس کے معاملے میں مال کی تو کیا حقیقت ہے، عزت کے آگے شرفا خاص کر دیہات کے خاص کر سادات خاص کر سادات سید نگر جان کی ذرا بھی پرواہیں کرتے یاد کرو تو کتنی منت کس قدر رخوشی کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خداؤں دنوں کو جنت فضیب کرے) غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آن کو دو دنوں یا ان میں سے ایک بھی زندہ ہوتے تو کیا تمہاری مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پرسوکن لاؤ اور

اس کی گود میں بٹھاوا۔ پھر بند خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں۔ سارے اس سرے اس کے نہیں، دنیا میں وارث کہو۔ سر پرست کہو ایک تم سوتھے نے جلا جلا کر اس کا یہ حال تو کر دیا کہ سید گور کی نسبت ایک تباہی بھی باقی نہیں رہی۔ اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا۔ سوکن کو لا بھیلا، عورت ہوتے پچانو، عقل ہوتے پچانو، کہ سوکن کا کیسا داش ہوتا ہے۔ بیوگی سے بڑھ کر میاں نکھلوا پائیج ہو یا بد مزان ہو۔ روٹی کھانے کو اولاد جی بہلانے کونہ ہو سب مصیبتیں جیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جیلی جا سکتی تو سوکن کی دنیا کے جلا پے اور جلا پے ہیں۔ اور سوکن کا جلا پا ساگاپا۔ جس شخص پر مصیبت کا پیارا ٹوٹ پڑا ہو۔ وہ اگر افیون کھایتی یا کنوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھپری بھونک لیتی۔ اس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پئنے پر قناعت کی۔ اگر خدا نخواستہ اس نے اپنے آپ کو بلاک کر لیا ہوتا تو تمہارا کیا جاتا، تم تو نبی بی بی کے ساتھ چین کرتے۔ گل چھرے اڑاتے، ہم کو بہن کہاں پیدا تھی۔

**بنتا! اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں**

**حاضر:** میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا۔ اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں۔ فرض کیا کہ تم نے میرے کہنے پر اس کو چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وظیر و اختیار کیا تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا منہ بھی کالا کراو۔ بنتا! پھر آپ ہی کوئی راد نکالیے۔ مجھ سے ایک نادی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزمائچا ہوں، میرے قابو کی نہیں آئے آپ سے وعد کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیکروں۔ تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا انتہار ہے۔ اس سے بات کا صاف صاف کہہ دینا اچھا اور اگر چہ آپ سے اس معاہلے میں صلاح پوچھنا داخل ہے جیاں بنے مگر چچا باوا چلتے چلتے کہہ گئے تھے کہ اگر کوئی مشکل آپ پر تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں۔ باپ کی جگہ آپ ہی اگر اڑی پر آڑنے نہ آئیں گے، تو میں کس کے پاس التحالے جاؤں۔ بندے کے سو قصور خدا معاف کرتا، آپ برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجئے۔

**حاضر:** بات یہ ہے کہ میں تمہاری اس نبی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارت کرنی مناسب ہے۔

بنتا! اس کم بخت کے اور حالات ہی کیا ہیں۔ بازاری عورت بے تن تہامت سے توبہ تو بے پکار رہی تھی، میری جو شامت آئی۔ اس کے ساتھ عتمد شرعی کر لیا۔ کیونکہ بچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں تو توبہ کر چکا تھا۔ جمات پر حماقت یہ ہوئی کہ اب میں اس گھری کو بہت پچھتا تھوں کہ گھر میں لا کر اور پکا کام کا نہ سپرد کیا۔ دوسرا ماؤں کی طرح رہنہ بنے لگی، اگر میں نے اس کے ساتھ کسی طرح کا سرو کار رکھا ہو تو مجھ پر خدا کی مار پڑئے یہ تو اس کی پچھلی کیفیت ہے، آئندہ کے لیے بھی

اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماڈ کی طرح رہنے گی اور بدستور گھر کی خدمت کرے گی۔

حاضر: اس کا غیرت بیگم کے پیش نظر ہنا تو میں اپنے نہیں کرتا۔ کیونکہ اس صورت میں فساد عالم کا برداشت اندیشہ ہے دو سو کنوں کی مثال میں تمہیں کس طرح بتاؤ یوں جھوک دو گا اس ہیں ایک میں سوڈا بے پانی میں حل کیا ہوا۔ اور دوسرے میں ایسٹ، ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسٹ میں اور ان میں جوش و خروش پیدا نہ ہو پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر ارادہ نہ کرنا۔ ورنہ آن دو بتڑتے تو کل جوتیاں ہوں گی اور پرسوں چھپریاں اس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ وہ ایکی ہے۔ تن تبا۔ آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمہاری چادر میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں۔ پس صرف یہ ایک تدبیر ہے کہ زبانے مکان میں پورب کی طرف ہو ایک کھانچا سانگل گیا ہے۔ پردے کی طرف دیوار کچھ پھوٹا اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ پھوٹ کر اتنا گھر الگ کراؤ۔ اور حقیقت میں یہ تھا بھی دوسرا گھر، ماموں باوانے مول لے کر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کر کے زبانے مکان میں مالا لیا تھا۔ تیغے کا انشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کے لیے بخوبی کافی ہے۔ ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔ دالان دردالان آگے ساتبان۔ دونوں طرف بڑی بڑی دو کھڑڑیاں۔ باورچی خانہ اس کے بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی کو لوکی سامنے کے شاخ میں سر درہ بس اور چاہیے کیا۔ بڑے گھر کی طرف خدا کے نفل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرق بھی بہت ہے۔ برادری اگر چاہئو تو دونوں گھروں میں ممکن نہیں۔ اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ چھوٹے ماموں باوانے پنیٹھے روپے کی تھوڑا ہیں اور کرایہ تھمارے نام کرائے گئے ہیں۔ اور ساٹھ کی غیرت بیگم کے نام سو اپنے پنیٹھے میں تیس روپے چھوٹی بی بی کو دیا کرو۔ اکیا دم ہے۔ فراغت سے بسر کر سکتی ہیں۔ پنیٹھیں تم کو بچپیں گے۔ اس میں تمہارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرق، غیرت بیگم کے ساٹھ کو با تھمت لگاؤ۔ ایک دن بڑے گھر میں رہو ایک دن چھوٹے گھر میں نہ ہڑھڑنے لکھر کھڑا اللہ اللہ خیر صلا۔

بنتا تو اپنی جگہ پڑ رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلا نہیں گے یا قید ڈالوں نہیں گے یا گھر بار ضبط کرائیں گے۔ سید حاضر کا فیصل سننے کے ساتھ اس کے پیروں پر گر پڑا۔ کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سر موفر ق ہو تو جانیے گا کہ میری اصلاح میں فرق ہے۔

ہر یاں بھی اپنی جگہ بہت خوش ہوئی۔ اور تھجھی کہ اب میرا بی بی ہونا سب پنچوں نے جانا، گھر بنو پایا، میاں کے پنیٹھیں بھی میرے اپنے ہی ہیں۔ وہ ملا کر تھوڑا ہوں میں کرانے میں بڑا آدھا میری طرف رہا۔ کہاں غیرت بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپھی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی بیا ہی ہوئی اور کہاں میں انصاف کی رو سے تو میں ان کی جو تی کی برادری

نہیں کر سکتی۔ قربان جاؤں خدا پ کہ اس نے مجھے گنہگار ناچیز کی توبہ کو ایسا نواز اکہ ان ہی کے نگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی۔ اس کو مکان سے تخلوہ سے کچھ بحث نہ تھی۔ ہریاں کو کیسے ہی برے احوال سے رکھتے۔ مگر جب تک غیرت بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے۔ کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی، لیکن یہ سے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا۔ تو کیا کرتی دل میں یقین و تاب کھا کر پیکل ہو رہی۔ بتا کے ساتھ بولنا۔ بات کرنا پہلے سے کم تھا، اب بالکل چھوڑ دیا۔ غرض صحن میں پردے کی دیوار اٹھائی گئی ڈیورٹھی میں دروازہ لگا۔ ہریاں نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

دو سو کنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اس کا اثر بدلتا اپر،

بدلتا کی اولاد پر اس کی بیبیوں پر انتظام خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا بے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چوہا چکل برتن بھانڈا بھی چیزیں اس کو درکار ہوتی ہیں۔ غیرت بیگم کے یہاں اسباب کے اٹم لگے ہوئے تھے۔ مگر کس کی جال تھی کہ تنکا تو اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جائے۔ ہریاں کو ابتداء میں تخت تکلیف ہوئی۔ مگر سایقہ بھی عجیب چیز ہے۔ دو ہی برس میں ہریاں نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کر لیا کہ غیرت بیگم کے کئی پشتؤں کے جمع ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ماتھ تھی، مگر ہریاں کے یہاں آتا تو کون تھا! میکن اگر دس مہمان بھی آ جاتے تو آسائش کا ہمہ سامان موجود پاتے، ایک مرتبہ پرانا سر کہ درکار تھا تعجب کی بات بے کہ سارے محلے میں کسی کے یہاں سے نہ ملا، ہریاں نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا) سنشے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوادیا۔ جس طرح سید حاضر نے ٹھیڑا دیا تھا۔ بدلتا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا۔ بڑے میں تو کوئی اس سے بولنا پالنا نہیں تھا۔ کسی دن اگر مخصوص کو پکڑا پایا تو گھری دو گھری اس کے ساتھ جی بھایا اور نہ منہ پیٹھا سورا خاطر داری تجوہ مدارت تجوہ آؤ جھگت تجوہ۔ جو کچھ تھی سوچھوئے گھر میں تھی۔ مگر غیرت بیگم اس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو بدلتا سے ایسی بے رخی کرتی کہ گویا اس کو میاں کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ اور چھوئے گھر کی باری آئی اور صبح سے اس نے بدلتا کی گمراہی شروع کی۔ مردانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے، کہاں سوئے۔ کیا کھایا اور کتنا کھایا۔ ہریاں کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں پر ایک نیا کام یہ اور آپڑا کہ سارے دن اور پھر پھر رات گئے تک ایک ڈیورٹھی میں کھڑی جھانک رہی بے۔ تو ایک دروازے میں کان لگائے سن رہی بے۔ اور ایک بے کہ جس طرح جواہا بتاتا نہ اتنا پھرتا بے۔ اوپر تلے بیسوں پھیرے زنانے سے مردانے میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجود یہ غیرت بیگم نے ایک بدلتا کے پیچھے اتنے جاؤں لگا کر تھے اس پر بھی اس کا جی نہیں مانتا تھا۔ ایک موکھا تو اس نے پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوئے گھر کے سرے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سنائی دیتی تھی۔ رو گیا ایک شاعر صحیح سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان سو غیرت بیگم کی طرف ایک بالا خانہ تھا۔ اور اس میں تھی ایک گھر کی کھول دو تو صحن سے لے کر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا تھا۔ یا تو غیرت بیگم نے جس دن کی بیاہی آئی کبھی بالا خانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوئے گھر کی باری ہوتی صحیح سوریے سے کوئی پرچہ ہمی اگلی صحیح کو اترتی۔ غرض ساری

گرمی غیرت بیگم نے میاں کو ہر یا لی سے بات نہیں کرنے دی جاڑا آیا اور پردے چھوڑ کر والان میں سونے لگئے تھک کر بنیٹھی شروع میں تو نوکروں کو آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک اونڈی نے باہر ڈیوڑھی میں سے اگ پکڑا دی تھی۔ غیرت بیگم کو خبر ہو گئی تو اس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگار ارکھ دیا لیکن پھر سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں ان کا رہ کناٹھیک نہیں۔ بندی کھول دی مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ماں اونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی۔ غیرت بیگم اس سے حال پوچھتی، اگر وادی کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی تو اس پر خفاہوتی کتو جھوٹی بیا چھپاتی ہے۔ یا تو اوہرملی ہوئی بے ناچار اس کی بدگمانیوں سے بچنے کے لیے نوکروں نے اپنے جی سے با تین بنانا شروع کیں۔ حقیقت میں تو وہ باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اس کو ایک بات کا ہفتون جنگڑا لگا رہتا تھا، آپ رنجید و رہتی اور بتاتا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی اور دل سے جو زکر کرتی یہ یوں آتی تو تمہاری سوکن کے عجب مٹاٹھ ہیں۔ ایسی بن سنو رکر بنیٹھی بے جیسے کوئی نئی دبند سر میں چنیلی کا تیل پڑا ہو۔ مگر کوئی چار روپے سیر کا۔ سارا گھر پڑا مبک رہا۔ چوٹی گندھی بے یہ بڑے بڑے موتیا کے بچاؤں کا سارا گہنا البتہ ڈیر ہر ووپے سے کیا کم کا ہو گا۔ ملا گیری چنایا ہوا مہین رینگ کا دو پڑا چھا خاصا چار انگل کا چوڑا سنبھری مٹیکا ڈیکا ہوا سفید ترین تیل تیل کا پاجامہ پانچوں میں تیل دار کنارہ۔ کنارے پر کیکڑی۔ کیکڑی پر بانکڑی۔ بانکڑی پر بانکڑی کی چیاں۔

غیرت بیگم یہ سن کر ایک ٹھنڈا سا انس بھر کر کہتی ہاں صاحب، ان کے بھاگ ان کے سہاگ دوسرا نے یہ بات بنائی کر دے آپ تو صحن میں کرتی بچائے بنیٹھی ہیں، میاں سامنے کھڑے گنا چھیل رب ہیں۔ گندیریاں بنانہ کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں بھی دیتے جاتے ہیں، میں تو یہ دیکھ کر اٹھے پاؤں پٹک آئی، ماما بانیٹھی کھانا پکارہی ہے۔ غیرت بیگم اعنت خدا کی پھٹے منہ حیا اور شرمت مطلق چھوکر نہیں گئی۔ تیسری اشارے سے یہ یوں کو باتی کہ ڈر آپ بھی تو موکھے میں دیکھنے آتی میاں کا جی کیسا بے۔ دوالائی اوڑھے پڑے ہیں اور کچنی پاس بنیٹھی پاؤں دبارہی بے۔ غیرت بیگم اری کم بخت تھجھ کو دھوکہ ہوا ہو گا۔ کچنی لینی ہو گی اور میاں پاؤں دبارہ بھوٹے ہوں گے۔

اس طرح کی سینکڑوں باتیں صحیح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرت بیگم سے آ آ کر کہتے۔ اور سب میں زیادہ منہ لگی و دھنی جو اس طرح کی باتیں خوب تصنیف کر سکتی تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرت بیگم کے منہ پر ہر یا لی کو ہر یا لی کہہ دے اور اگر کسی کی زبان سے بھولے سے بھی جھوٹی بی بی نکل جاتا تو یہ شک غیرت بیگم ترے سے اس کے منہ پر جو تی کھنچی مارتی۔ نام سے تو اتنی نفرت اور پھر رات دن اس کی تسبیح آخرسوچ کر غیرت بیگم نے سوکن کو بے غیرت کا خطاب دیا۔ اور جتنے لوگ غیرت بیگم کے طرفدار تھے یہاں تک کہ ادنی ادنی نوکر اس کی حمایت پا کر سب بے تامل ہر یا لی کو پکار پکار کر بے

غیرت کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریاں اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ اس نے سینکڑوں بار بتلا کو منوادیا تھا۔ بتلا کو نوکروں کے منہ سے یہ لفظ سن کر سخت رنج ہوتا تھا۔ کیونکہ ہریاں جو کچھ تھی سو تھی۔ مگر راجہ کے گھر آتی اور رانی کہلاتی، اب تو اس کی منکوہ تھی نوکروں کو اور گھر کی اونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اس کی منکوہ کو یوں منہ بھر بھر گالیاں دیں۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ ہریاں کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے پر خاش نہیں؛ مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرنا مقصود ہے، خدا کی شان میرے نوکر میرے اونڈی غلام اور ایسے گستاخ ایسے بے ادب، کیا کروں کچھ کرتے ہن نہیں پڑتا۔ میں صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو۔ غیرت بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو تھی۔ بتول کو تو اس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا۔ مگر مقصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا پھرتا تھا۔ اس کو کون رو کے غیرت بیگم بھیرا ڈالتی دھمکاتی گھر تی مگر یہ کس کی سنتا تھا۔ آنکھ پچھی اور گھر میں۔

غیرت بیگم سے اور بتلا سے تو روز بروز عداوت بڑھتی چل جاتی تھی، بتلا کے جانے اور چھیڑنے اور ایڈا دینے کو جہاں غیرت بیگم اور بھیری باتیں کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اس کی الگی تی مدارات باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو وہ بات پر مقصوم کو ماپٹھتی اور کو سنا تو تکمیر کام ہو گیا تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہے کہ جسمی جانوروں کی طرح ہلانے اور پر چانے سے رام ہوتا ہے۔ مقصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرت بیگم کی شکل سے دور بھاگتا۔ اور اس کی پر چھائیں سے ڈرتا چھوٹے گھر میں اس کی ایسی خاطرداری ہوتی تھی کہ اس نے اندر پاؤں رکھا اور ہریاں نے دوڑ کر اس کو گود میں لیا۔ ہاتھ منہ دھلایا۔ بالوں میں تیل ڈالا۔ گھنٹھی کی آنکھوں میں سرمد لگایا۔ میود مٹھائی اس کے لیے لگا کھتی تھی۔ جو کچھ موجود ہوا کھلایا۔ گھنٹھی تکمہ اگرٹوٹ گیا بے ناک دیا۔ کبھی کبھار کوئی کھلوٹا نہ گوا دیا۔ آپ پان کھاتی ہوئی تو اس کو بھی ملکڑا بنادیا۔ یا آئیںہ ہاتھ میں دے دیا کہ دیکھو تو کیا نہ لال لال ہوابے۔ پس مقصوم سارے سارے دن چھوٹے گھر کھیلتا اور اگر کوئی بڑے گھر میں بیالے تو روتا اور مچلتا۔ ایک دن غیرت بیگم مقصوم کا انگر کھا قطع کر رہی تھی کہ اونڈی سے کہا کہ جاذرا مقصوم کو جلدی بیالائے۔ انگر کھا اس کے قد سے تاپ اول اور ایسا نہ ہوا نچا ہو جائے اونڈی نے چھوٹے گھر میں جا کر کہا چلو میاں بی بی باتی ہیں۔ اونڈی کی صورت دیکھ کر اور طلبی سن کر مقصوم زمین میں لیٹ گیا، بھیرا اونڈی گود میں اٹھاتی ہے۔ نکل نکل پڑتا ہے۔ اس کشتم کشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرت بیگم ہاتھ میں کپڑا لیے انتظا کر رہی ہیں۔ آخروں سری کو دوڑایا کہ نسبتی مقصوم کو بانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی۔ بس آپ بھی اس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی۔ جادو نوں کو کپڑے کے تو

۱۱۸

غیرت بیگم جو بگڑی اور خفا ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریاں نے بھی سن۔ اور اس نے جلدی سے اٹھ کر مقصوم سے کہا۔ آب ایڈی اماں کے بیباں کیسے کہے بہار کے کپڑے ہیں، جلدی بھاگ کر جاؤ تمباری بھی اچکن یعنی جائے۔ وہ بڑی

اماں بیٹھی کہد رہی ہیں۔ آنکھیں میچیں کون آئے۔ عصوم سامنے گیا تو غیرت بیگم بولی موئے جان باریوں ہی سارے دن خداں خوارخاک چھانا پڑا۔ پھر دیکھا ب تجھ کو کیسے ظالم استاد کے پاس پڑھنے بھاتی ہوں کتو بھی یاد کرے۔  
عصوم: میں اپنی بھوٹی اماں کے پاس بھاگ جاؤں گا۔

غیرت بیگم: لانا دست پنے میں ایک انگارا کے اس کم بخت ناشد نی کامنہ جاؤں ٹوڑا بدلوں کا بد۔ گندی بولی کا بساند اشور بہ آخرا پنی اصالت پر آگیا۔ کچھ کو میا بنا یا میرے سامنے اگر پھر اس مردار کو اماں کہا ہو گا تو جو پلکر کاٹ ڈالوں گی، عصوم یہ سن کر آدھی دور سے پھر المباہاگ گیا۔ نسبتی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کسی کے با تھا آتا تھا۔ ڈیڑھی میں کھڑا ہوا غیرت بیگم کے چڑا نے کوپا رپکار کر جھوٹی اماں بھوٹی اماں کہنے لگا۔ غیرت بیگم نے دا ان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری مگر وہ ڈیڑھی تک کیا پہنچی، غرض عصوم کو جو دھست لگی تو غیرت بیگم کو اس طرح لھڑی بھرتک دق کرتا رہا اور پھر جھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرت بیگم ہریاں کی ساری باتوں کو برائی پر ڈھال لے جاتی تھی۔ عصوم کے ساتھ جو ہریاں عام ماوں سے اور خصوصاً غیرت بیگم سے بڑھ کر محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرنا شاید چند اس بے جانہ تھا۔ اگر ہریاں کی مخالفت میں غیرت بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا بھی دوسرا ہی مطلب لگاتی تھی اس کا مقولہ یہ تھا: دیکھنا نامراد کثیر کو کیسی عصوم کی لاوپتو میں لگی رہتی ہے۔ اور مجھ کو یقین بے کرو ضرور اس کو مجھ سے تڑا کر رہب گی ابھی سے اس کو میری صورت سے بیزار کر دیا بنے۔ نہیں تو اتنے بچے ماوں سے ایک لمحے کے لیے پر نہیں بہتے۔ اور عصوم کو تو اگر میں نہ بیاوں کبھی بھول کر بھی ادھر کارخ نہ کرے۔ بیگم کو اٹھے سیدھے ہر طرح ہریاں کو اماں ہنادینا منظور تھا۔ عصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور چھوٹے بچے اکثر بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مصیبت یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے دوغاٹن کچھ نہ کرتی اور جو کوئی دکھ ہو تو غالباً اس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہے۔

اور دشمن کون یہی بغلی گھونسا یہ کیا میں کسی کو جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بیکا ہوا تو کھڑھی میں کیا مار ماری تھی اگر جان سے نہ مار ڈالوں تو سید جی جن نہیں۔ اور پھر اس کے جملہ تیوں کو دیکھاوں گی۔ ہریاں عجب پس و پیش میں تھی۔ اگر عصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جو بے اولادی بے جلتی بے دیکھ نہیں سکتی اور آنے دیتی ہوں تو اس کی ذمہ داری کوں کرے کہ بچے بیمار نہ پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے پس ذرا بھی عصوم کا جی ماندہ ہوتا تو ہریاں کا کئی چلوہ بونشک ہو جاتا کہ خدا کرے انتظام خانداری کی یہ صورت ہوتی کہ آخر اس کو بھی تو صاحب خانہ کی توجہ درکار ہے۔ بیہاں آپس کی کہاں نی تاک جھانک لڑائی جنگوں کے قصے قصیے سے اتنی فرصت ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف متوجہ ہوتا اور فرصت تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں۔ رغبت نہیں اطمینان نہیں امیگ نہیں۔ کسی کی بابا کو غرض پڑی تھی کہ یہ درسر مول لے، خانہ داری میں سب

سے بڑا انتظام کھانے کا کم جبھی ہوا اور شام بھی ہو۔ سو کھانے کا یہ حال کہ بڑے گھر میں تو بتا نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہی نہیں۔ میاں بی بی میں ناخوشی تو سدا کی تھی، تاہم کھانا دونوں ایک ہی دستر خوان پر کھایا کرتے تھے جس دن سے ہر یاں نے الگ گھر کیا، غیرت بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا جھوڑی بات چیت کے ساتھ کھانا اور کھانے کے ساتھ دیکھنا بھالنا نکالنا سب کچھ جھوڑ دیا۔ دو چار بار بتا نے منہ پھوڑ کر کہا بھی جواب ندارد۔ پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ نکال کر لا آگے رکھ دیا۔ اس بے قراری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا تو بتا کو اس قدر طیش آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرت بیگم کو کچھ اٹھا کر کھا جائے مگر وہ اپنا خون جگر پی کر چپ ہو رہتا تھا۔ ڈر کے مارے ذرا کی ذرا منہ جھٹالیا اور لکھرا ہو گیا۔ غیرت بیگم خود تو کبھی خبر نہیں لیتی تھی۔ اگر کبھی کوئی نوکر خدا کے واسطے کو کہہ بیٹھا کر میاں تو پوری ایک چپاتی بھی نہیں کھاتے تو بولتی اس مال زادی کے بدون میاں کے حلق سے نوالہ کیوں اترنے لگا اور ان کو گھر کا کھانا کیوں بھانے لگا۔ غیرت بیگم جلی تن کا بتا سے بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے دل سے با تین پیدا کرنی اور آپ ہی ان کی اوصیہ بن میں دو دو وقت کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو میاں اور بیوی اور دونوں کو کھانے کی طرف مطاق رغبت نہیں۔ یہ لوگ بھی سستی اور بے پرواہی اور چوری اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خرق تو ڈیوڑھا اور دنابڑھ گیا۔ اور برکت آدمی اور پاؤ بھی باقی نہ رہی، غیرت بیگم کی طرف تو سویرے خاک اڑنے لگی جھوٹا گھر خیر یوں ہی اشتم پشتہم چا جاتا تھا۔ گھر کی عزت ہوتی بے مردانے سے اور مردانے کی رونق مردوں سے۔ مردوں کے شوق کے اہتمام سے بتا کبھی جس کا یہ حال تھا کہ بالوں میں تیل نہ پڑتا تو سر درد کرنے لگتا۔ دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک پہن کر ایک چیز ایک جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا فرش پر سلوٹ پڑی دیکھی اور تیوری بل پڑا، آندھی ہو مینہ ہوس دی ہو گرمی ہو چار گھنٹی دن رہنے کی سواری کبھی ناممکن ہونے نہیں دی۔ ہر چیز صاف ستری یقینی انوکھی یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا۔ بال اچھ کر نہ دہو گئے کسی کو دماش بے کہ لگا ہی کرے، معلوم بے کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں۔ گر بدلتے ہوئے آآتی بے چیز بے ٹھکانے پڑی بے گزر بان کوں بلائے کہ اس کو موئی سے رکھو سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ جا جم بن گئی بے نوکروں کو تو فیض نہیں کہ بد لیں، میاں کو خیال نہیں کہ بد اوائیں۔ گھوڑا نسل والا یعنی جس پر کمکی پھسلتی تھی۔ پھلوں پر تالی پڑی ہوتی سواری جو ہوئی موقوف تھاں پر بندھے بندھے پانچواں نیب نکال لایا بادی نے آدیا، ماش میں ہوئی کمی اور دانے میں ہوئی چوری تھوڑے دن میں پر تھل کا ٹھوٹ معلوم ہونے لگا۔ سینکڑوں روپے کا اس باب صرف غور اور پرداخت کے نہ ہونے سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ غرض وہ لوگ کباوت کہتے ہیں کہ دو ملا میں مرغی حرام، دو یہ بیوں میں

کشمکش میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لے کر اندر تک نکلت اور مناسی اور بے رونقی چھا گئی ایک دست تک غیرت بیگم کی طرف سے انوائی واقسام کے ظلم ہریانی پر ہوتے رہے۔ اور بدالہ لیما کیسا اس کی اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اف کرنے نام لے لے کر پکار پکار کر سنا سنا کر گایلوں کی بو چھاڑ بر سار کھی بے۔ اور کوسنؤں کا تار باندھ دیا بے۔ اور دم بخود۔ گرگنا صبر کہاں تک برداشت۔ آخر اس کامنہ کھلا کر لوگوں نے اپنے اپنے کام بند کر لیے برکت، رونق فراغت، عافیت، محبت، مردوں سب کچھ غارت ہو کر ایک آبرو ود بھی محلے والوں کی نظر میں نہ رہی تھی۔ ہر وقت کی تھکانی خیت میں ود بھی گز ری ہوئی۔ کم تھیں اس بے بودگی کے ساتھ آپس میں اپنی تھیں کہ کنجھنوں قصائنوں کو مات کر دیا تھا۔ اور دھونوں بھینیارنوں کو شرمندہ۔ غیرت بیگم تو کسی کے تابو کی تھی نہیں۔ گرہاں ہریانی کو اگر بتا امنع کر دیتا تو وہ بے شک باز آ جاتی۔ پر غیرت بیگم کی طرف سے بتا کوایسے ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکنا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریانی کو اور اشتعال دے دے کر اس کی آڑ میں اپنے دل کے جلد پھپھو لے پھوڑ لیتا تھا۔ ان لوگوں میں جو باہمی رنجش اور عداویں تھیں، پہلے چند روز تک دل میں رہیں۔ بڑھتے بڑھتے دلوں سے منہ تک آئیں، اب وہ زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے کوہ آتش فشاں کا ملغوبہ آگے آگے آپ اور پہنچے پہنچے بتاہی اور بر بادی۔

ہریاں کا امید سے ہونا، غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا، اور اپنی مامخاتون سے اس کو سنکھیا دلوانا، مقدمہ کا کوتولی میں دائرہ ہونا اور آخر ناظر کی تدبیر سے دب دبا جانا، مگر بتا! کادیوالہ زکال کر اتفاق سے ہریاں پڑی بیمار شاموں شام سر ڈھویا۔ سردی کھانی زکام ہوا بخار آنے لگا۔ چند روز پکھہ دھیان نہ کیا۔ بخار تھا کہ چم پچڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانی کی بھی دھنک شروع ہو گئی معمولی طور پر کھیموں کے علاج کیے فتح ہوئے۔ بخار بے کہ جنس نہیں کھاتا۔ کھانی کو اتنا آرام ہوا جس بھروسہ کی سے تر ہو گئی۔ ایک دن باغم میں پکھہ سرخی کی جملک دکھائی دی تو تر دہووا اور تر دکی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سرخی ہو گئی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی بے۔ تب تو بتا گھبرا۔ غیرت بیگم کے ہاتھوں سے تو ایسی ایسی ایڈا نہیں پہنچ تھیں کہ اس کے نام سے اس کا دل بے زار تھا۔ اس کو تھوڑی یا بہت جو پکھہ دل بستگی تھی ہریاں کے ساتھ تھی۔ اب جو اس کو خون تھوکتے دیکھا۔ قریب تھا کہ سو دلی ہو جائے۔ شبہ تو تھا کئی دنوں سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہیں غیرت بیگم نے پکھہ کر کردا ہوا۔ کھانی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ یقین کیا جن الیکٹریں ہو گیا کہ غیرت بیگم نے پون بھائی خدا نخواستہ ایسا تو پرانا بخار بھی نہیں کہ سل ہونے کا نہ یہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر یا نے اور بھگت بلائے! آئے سب کے جادو وہم کی پون اس کو اتارے کوں، ہریاں کا حال بہت پتا چا۔ آخر کسی نے صلاح دی کہ سب پکھہ تو کر چکے ذرا اکٹر چنیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ۔ چنیلی کا ہام اصل میں مس بیانی تھا۔ ولایت سے نئی آئی تھی۔ کہ اس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا۔ تب ہی سے شہر میں بڑی شہرت ہوئی۔ نواب صاحب کی محل سرا میں اس کو چنیلی پکارت تھے۔ وہاں کی سنتی سنائی اور لوگ بھی چنیلی کہنے لگے۔ دایگری کے فن میں نہایت تحریج کار اور مشاق تھی۔ اور خود بتا کے گھر میں عصوم اور بتوں دونوں کے ہونے میں بائی گئی تھی۔ ہریاں اور ہریاں کے تیار دار کسی کے ذہن میں بھی نہیں بات آئی تھی کہ ہریاں کی حالت ڈاکٹر چنیلی کے علاج کی متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنیلی کو جب بایا گیا، تو غیرت بیگم سمجھ کر معرفت ساقبہ کے لحاظ سے بالا در بری خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اس کو بیہاں آ کر معلوم ہوا کہ بتانے والوں کی بے۔ اس نے بیمار کو دیکھا تو ہی مگر بتا! سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہنا پا تو نہیں بے پر تم کو پتہ بے کر ان کے دو پچھے ہونے میں، میں نے ان کی خبر گیری کی بے۔ تو تمہاری اس بی بی کا علاج کرنے کو میراجی نہیں چاہتا۔ اس کو میں خلاف مرد مروٹ تھیت ہوں اور میرے علاج کی چند اس ضرورت بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہوں کو صرف اتنا اشارہ کر

دینا کہ دو جانوں کی رعایت سے عان کریں، اتنا کہہ کر ڈاکٹر غیرت بیگم کی طرف گئی۔ مخصوصاً اور ہول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا۔ پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرا گھر میں نہ بائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دلبی کیوں ہو۔ ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تو لا جائے تو شاید عورت ہی کا پلہ جھلتا ہوا رب گا پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ سیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آ جاتی ہے۔ یہی سمجھ کر میں نے اپنی بیاہ نہیں کیا اور کرنے کا ارادہ بھی نہیں۔ میں تمہاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اس سے زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں۔ لیکن کبھی اگر میرا کام آپ سے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا۔ غیرت بیگم نے اگرچہ دیبات میں پروش پائی تھی۔ پروشاتی بھی تو بیز نہیں تھی کہ چنیلی کے آنے کا اس کی محبت کا مردوت کا ہمدردی کا شکر یہاں کرنے کریں۔ مگر سوکن کے جھگڑے سے اس کو کسی چیز کی سدھنہ تھی۔ چنیلی اس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چپ کرنے اور میں سوکن کا حال پوچھوں، غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا: کب کیا دیکھا۔ چنیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا۔ اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دو بھی سے بیٹھی ہے، میں نے تمہارے میاں کو جتنا تو دیا ہے۔ اب بھی اگر سمجھ بوجھ کر عان ہو گا تو بچے کو تو میں کہہ سکتی کیونکہ ادھر تو ہوئے جا ب اور ادھر بخار کی وجہ سے ملیں اور پر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے پکڑ لیا۔ مگر احتیاط کی وجہ تو میرے نزدیک بچے والی کو بھی تک پکھہ بڑی جو کھوں نہیں ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شودا ز را گوش۔ ہریاں نے جو سناتو اس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ یہی دو اور کس کا عان گھڑیوں اس کا مزان خود بخوبی تھیک ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک ہی ہفتے میں چلنے پھر نے لگی۔ یہ تو اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی جگہ غیرت بیگم پڑی۔ غیرت بیگم کا سارا غرور، سارا گھمنڈ، سارا نماز بے جا واد کے برے پر تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں سا جھاڑیا تو حقیقت میں اس کی کمرٹوٹ گئی۔ اور تجھی کہ بس اب ہریاں کے مقابلہ میں نہیں پہنچتی۔ اس کو اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ ہریاں لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو۔ آخر بتو بے او ادا نہ کوئی تام کا لینے والا نہ پانی کا دینے والا۔ جتنا اس کی تقدیر میں ہے اور پہن لے جس قدر اس کے نصیب کا ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری ادا دا اس خیال سے کبھی اس نے سوکن مانا ہی نہیں۔ اب البتہ اس کو سوکن کی حقیقت کھلی اور آدھی اور ساری کی سوچ بیدا ہوئی۔ چنیلی ایسا کوئی دو تین گھنٹے دن چڑھتے آئی تھی۔ اس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم ٹھنڈوں میں ہر دے کر بیٹھی تو دو پھر ڈھلتے ڈھال گئی۔ مگر اللہ کی بندی نے گردن اوچی نہ کی۔ دو تین بار کھانے کی اطلاع ہوئی مگر اس نے یہی کہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک بہت پرانی نوکر تھی، خاتون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی، مگر کبر سنبھلی اور قدمی الخدمتی اور ہوشیاری اور سلایقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سے سب سے سر بر

آورد تھی۔ غیرت بیگم کو اس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح بتانا نے غیرت بیگم پر سوکن کی اتنی طرح خاتون پر بھی اس کے میاں نے سوکن کی تھی۔ غیرت بیگم کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا۔ خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور غیرت بیگم کرید کرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کہلواتی۔ پس خاتون نوکر کی نوکر تھی، قصہ خواں کی قصہ خواں اور بیوی کی بہر د۔ جب خاتون نے دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبلی آئی بیوی پچھا ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں کھایا۔ کھانے کا وقت بھی نہیں گیا۔ تو اس نے قریب جا کر پوچھا کہ ”بیوی جو تم اس قدر اس نیشنی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم تم نہیں سنا کہ بے غیرت کے یہاں بال بچ ہونے والا ہے۔“ بھی اس نے کیا اٹھار کھابے بال بچ ہونے والا ہوتا تو حکیم کیا یہے اندھے ہیں۔ جا بول پر جا ب کیوں دیتے۔

غیرت بیگم: حکیموں کو دھوکا ہوا، انہوں نے جانا ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں دی جا رہی ہیں۔ پہیٹ میں بادی بھر گئی ہے۔ اب چنبلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سفی تھی، کنچنیوں کے او لا دنیں ہوتی؟ کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر پرے تھے کہ مجھ پر کچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہوا اور ماں بن جائے۔

خاتون: نہیں بی بی کوں کہتا ہے کہ کنچنیوں کے او لا دنیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی۔ کیا تم بھول گئیں میری سوکن کوں تھی۔ اصل نسل کی کچنی۔ جب میرا میاں اس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا پنکی ڈال دیتی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی ہے۔ پیچھے معلوم ہوا کہ چار کی ماں تو وہ اس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ برس ود جی میری اتنی روک ٹوک پر سات یا آٹھونٹھ اس نے تیاری کی مگر واہری چینیا۔ وائی ہوتا ایسی ہو کبھی چوتھا نہ لگنے دیا۔

غیرت بیگم: وہ چینا اب بے۔

خاتون: مدتنیں ہوئیں مرکھ پ گئی۔ ستر پچھتر برس کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی۔

غیرت بیگم: پھر خاتون کوئی ویسی ہی تدبیر یہاں نہیں کرتیں۔

خاتون: بیوی تمہارے یہاں افتاد و سرے طور کی ہے۔ ہم تو غریب آدمی ہیں۔ اب بھی ہیں اور تب بھی تھے۔ میاں سات روپے میئنے پر ایک عطار کی دوکان پر بیٹھتا تھا۔ سامنے تھا اس بیسوا کا کوٹھا۔ آدمی تھا وہ تھی طرح داریہ نامرا داں کے سر ہوتی ہیں بارہ آنے میئنے کرائے پر دینا بیگ خاں کے کٹھے میں رہتی تھی، ذرا مکان میرے اکیلے دم کا اس میں گزر رہوتا تھا۔ سوکن صاحب جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں، مردوا کم بخت اس طرح کا ظالم کہ گالی دے بیٹھا اس کے آگے ایک بات اور بات بات میں رکھا اور لات۔ اگر وہ کبھی مجھ کو اور سوکن کو آپس میں اثرتے دیکھ پائے تو دونوں کے

ڈنڈے لگائے۔ سو بیوی اپنی عزت اپنے باتحہ میں نے تو چوپن نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھلی ملی رہی جیسے سگی، بہن پر دل سے تو میری جان کی دشمن تھی اور میں اس کی۔ ایک جگہ کے رہنے سہنے اور ظاہر کے میں ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی سو کر گزرتی تھی۔ اس کو یا مردوں کے کوشش نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمہارے یہاں بیوی اول دن سے کھلم کھلا گاڑ پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی گھلکوئی تدیر چلنی ذرا مشکل ہے، نہیں تو کیا بڑی بات ہے چینا نہیں چینا کی بہنیں اور بہتری اور وائی کا بھی اس میں کیا کام۔ ایک سے ایک دو اجھوکو ایسی معلوم بہ کچنگی بجاتے میں کھڑا کھٹکانہ کھائے۔

غیرت نیگم: اے بے اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوابے تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔

خاتون: دوابے نہیں تو بہت پر کاڑھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے۔ آن کو یہاں دو ابنتی پہنچتی ہوتی تو کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ دوابو بناتے ہیں اپنے باتحوں سے میاں کوئی کرے تو کیا کرے۔

غیرت نیگم: پھر تم ہی کچھ مدیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیل بیٹھی ہوں اور یہی بات اس وقت میں سوق بھی رہی تھی۔ خدا مجھے تو اس دن کے واسطے نہ رکھے بائے کن آنکھوں سے دیکھوں گی کہ اس کے بچے کھیلتے پھریں۔ اور کن کانوں سے سنوں گی کہ اماں پکاری جائے۔ تم سے کچھ ہو سکتا ہے تو کرو نہیں تو تم ایکلی کیا دنیا دیجئے لے گی کہ جا ہو ادل بہت برآ ہوتا ہے۔ اور کسی پر زور نہیں چلتا۔ اپنی جان تو بس کی بے۔ جان جائے کسی کی بلا سے، غیرت میرا نام بے، نام کے پیچے جان دوں تو۔ ہی۔

خاتون: بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت، سن سن کرمیرے تو ہوش اڑے جاتے ہیں۔ جان آنچیز کہاں پائیئے، تم اپنے ننھے منے بچوں کا منہ کرو۔ خدا تمہاری سلامتی میں ان کو پروان چڑھائے۔ الہی تم کوان کی بیماریں دیکھنی نصیب اور قربان کی وہ نامراوسوں کو خدا چاہنے گا تو وہی نہ رہے گی۔ ہر اماں ہو تمہاری بنا اور غم کرے تمہاری پاپوش۔ جب خدا نہ کرے تمہاری ہی جان پر آبنے گی تو ہم پندرہ نہیں بندے جو تمہاری جو تیوں سے لگے ہیں تو کیا مند کیفیتے کے واسطے ہیں۔ پہلے ہم سب تم پر سے تقدیق ہو لیں گے تب جو بات سو بات۔ پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان جو کھوں کا کام بے۔ پہلے اپنی جان سے باتحہ دھواؤ تو اس کا بیڑا اٹھائے۔ پھر اس کو چاہیے دل کا پکا پیٹ کا گبرا بھرو سے کاپورا کے خدا نخواستہ کل کا اس کو کچھ ایسی ولیسی ہوتا اپنے اوپر حصیل لی جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمہارے گھر میں تو میں اس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی۔ چھوکریاں ہیں چھوپھوری کہ آدمی بات سن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلے میں دھوم مچائیں۔ رہ گئیں مانئیں، نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہے۔ اور مجھا کیلی سے سارا سر انجام ہو نہیں سکتا۔ ایک میرا بجانجا بے جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر بے۔ اگر وہ گٹھ جائے تو سارے

کام آسان ہیں۔ دیکھو میں اس سے ذکر کروں گی پر یہی تم اپنی جگہ پر سمجھو اور میری تو اگر جان بھی تمہارے کام آجائے تو درلیغ نہیں۔ میں نے تمہارا نمک کھایا ہے۔ اور میں اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی۔ بہتیرا جی چکی پر میرا بھانجباں بچے دار آدمی ہے۔ عمر بھی اس کی کچھ ایسی بہت نہیں۔ اس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لاٹھ دیا جائے گا تو شاید وہ اس کام میں ہاتھ ڈالے۔

**غیرت بیگم:** مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اس عذاب سے چھٹکا را ہو۔

**خاتون:** یہی دیکھو خبردار میں تمہارے آگے با تھے جوڑتی ہوں کسی کو کانوں خبر نہ ہو۔ نہیں تو سارے گھر پر آفت آجائے گی۔

**غیرت بیگم:** خیر منا و تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ رکھا ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہے۔ مجھ کو اپنے دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کر منہ تک بات آجائے۔

**خاتون:** تو بس بات کو اپنے ہی تک رہنے دو۔ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی اور میں تم کو بھی صلاح دیتی ہوں کہ مل جاؤ، کیونکہ ملاپ میں خوب کام لکھتا ہے۔ مگر ماں نہیں تو یہ ہر وقت کا جگہ گز۔ بکھیرا تو موقوف کر دو۔ ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمہارے دشمن بر اچاہنے والے خاتون کے سمجھانے سے غیرت بیگم نے باوجود یہ کہنا وقت ہو گیا تھا منگو اکر کھانا کھایا۔ اور جو سارے سارے دن ہر یاں کا جگہ اگر بتا تھا وہ بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی اونگ جو چوری یا دسرے جرموں کے مرتب ہوتے ہیں اپنے پندرار میں بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں اور آخزو ہی پیش بندیاں ان کو رسوا اور فضیحت کرتی ہیں۔ یا تو تمام دن دونوں سوکنوں کی اڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا ایک دم سے ہوا سنا تھا تو غیرت بیگم اور خاتون کے سوائے سمجھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ اڑتے اڑتے رک گئیں باوجود یہ کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی مگر غیرت بیگم کو اتنا صبر کیا تھا اس نے تو اگلے ہی دن سے خاتون کی جان کھانی شروع کر دی۔ کیوں بی کب ہو گا کیا دیر بے کابے کا انتظار ہے۔ اے بے کبھی ہو بھی چکے گایا نہیں۔ بس اب خاک ہو گا تم کو نہیں کرتا منظور تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ تھی سے شوم بھلا جوڑت دے جواب آخر جب تقاضا حد سے لگز رگیا تو ایک دن خاتون نے کب الموبی بی خدا نے مجھ کو تم سے سرخو کیا اب کہیں اتنے دونوں میں جا کر بڑی مشکل سے معاملہ ٹھووا۔ میں تو سمجھتی خدا جانے سرے سے حامی بھی بھرے یا نہ بھرے تو دس بزرار مانگے پندرہ ہزار مانگے پر ماشاء اللہ قسمت تمہاری بڑی زر دست ہے۔ ستا چک گیا ایک ہزار اور جو خدا نہ کرے کہیں کھل کھلا پڑے تو دو ہزار ”غیرت بیگم تو کہہ ہی

چکی تھیں اگر مجھ کو کھڑا کر کے بچ ڈالے تو بھی عذر نہیں۔ سنتے کے ساتھ لگنی باتھوں سے سونے کے تھوں کڑوں کی جوڑی اتارنے کرتے میں خاتون بولی، ”بیوی کڑے مت دو۔ میرا جی کڑھتا بنے بنگے باتھ رے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پر چول پڑے گے بلکہ جتنا گہنم تم پہنچ رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو۔ غرض جس طرح خاتون کبھی بھی کچھ فند و جنس ملا کر ہزار پورے کراس کے لیے باندھے بزرار مختل آئے اور ہزار غیر مختل ٹکے یہ لے خاتون نے یہ کارنما یاں کیا کہ چوبوں کے بہانے سے تھوڑی تی بجانجے سے مانگ لائی۔ دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا۔ گھومن بڑے سوریے آتی اور سب سے پہلے یہیں کاراٹب آتی۔ خاتون اندھیرے منہ اٹھ مردانے میں جانشی، جوں ہی گھومن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اس سے اڑنا شروع کیا کہ۔ ساری دنیا میں حلوائی ہوئے گھومن ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں۔ یہ کہیں سے بے چاری انوکھی گھومن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے۔ پرسوں کھیر پنی کسی نے منہ پر نہیں رکھی، کل جوں چاہا کہ سو یوں میں ڈالیں نیلا نیلا سوت پانی ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کرواتی بے لا تیری ہندیاں بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انہیں یقین آئے گا۔ غرض زبردستی گھومن کے ہاتھ سے ہندیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں بھول ہندیا گھومن کو پیہر دی کہ بیوی کبھی ہیں میرے پاس حرام کا پیسہ نہیں بت جادو رہا ب میرے گھر دو دھنہ لانا۔ پرسوں کی لگی ہوئی اور روز گار کاراٹب اس طرح ملوثی کرتی تو اتنی مدت کیوں کر نہیں بے چاری روکھنی اور کھیانی ہو کر خاتون کا منہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہندیا اس کے حوالے کی کہ بڑی بی نے تو آن کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بھی اگر دوسرا گھومن لگا لیں تو میری ہر روز صبح سوریے کی اتنی دور کی رہ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فرنی کی فرماش بھی کر چکے ہیں لا اُن تلفیاں جمادیں۔ سارے کما۔ سارا دودھ لے لیا۔ جب دودھ لے چکی تب اس کو خیال آیا کہ آن تو بڑے گھر کی باری ہے، ماما سے کہا دیکھا تو نے کیا مجھ سے بھول ہوئی۔ بڑے گھر کی باری کا خیال نہ رہا اور فرنی کے لیے اتنا۔ سارا دودھ لے بیٹھی۔ اب کیا کروں۔ ماما نے کہا۔ مضائقہ کیا بے جاڑے کے دن ہیں۔ اس وقت کی جبی ہوئی باش تلفیاں تو کل تک ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہوں گی، غرض فرنی پکا تلفیاں بھر الماری میں رکھا اور پرستے تقلیل لگا دیا۔ ہن لوگوں کے بال پچے نہیں ہوتے جی، بہانے کو اکثر جانور پال لیا کرتے ہیں۔ ہریالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے جانور پال رکھے تھے۔ اچھا ایک پیالہ بھر کر فرنی ان جانوروں کے لیے الگ نکال کر تھوڑی ماما کے لیے دیکھی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دوسرے دودھ مسا کر ہپا و بھر چاول برادر کی کھانہ فرنی کا بے کو تھی اچھا خاصاً کھویا کہنا چاہیے جس نے پائی خوب مزے سے کھائی۔ دو گھنٹے نہیں گزرنے

پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مشحونیں ہوئے، پھر تو باری باری سے اوپر سوریہ کوئی جلدی، کوئی دریہ میں سکڑی، بلی بولائی، کبوتر چکرائے، مرغیاں اونگتے لگیں۔ ماں مارے تے اور ستون کے بدھواں ہو گئی، ڈولی میں لا داس کے گھر پہنچوایا اس کا بیٹا تھانے میں نوکر تھا۔ سننے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا۔ ماں کو دیکھا تو آدمی کوئی نہیں پہچانتی تھی۔ نیم جان کو اٹھا کر ہسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا۔ پانی جو پیٹ میں سے بکا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال دیکھا تو سنگھیا تھی۔ آخر ڈاکٹر نے سوق سوق کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنگھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس کے پیٹ میں سے نکلی بے۔ اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہو گی تو تاعدے کی رو سے اس کو مرنا نہیں چاہیے۔ غرض سنگھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہو گا اور تسلی دینا شروع کیا۔ اگلے دن صحیح ہوتے ہوئے بیمار کی طبیعت پچھے سنبھلی آخروٹ پیٹ کر کچھ اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روجگار لگ گیا کہ جب تک زندگی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بینہنے نہ رجاتی تھی۔ ادھر ہر یاں کے یہاں جس جانور نے ذراتی فرنی کھائی سمجھی کی تو موت آئی۔ ہر یاں اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھنٹی دن رہتے تو کتوالی کے لوگ مردانے میں آبھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فرنی کی تلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں تو کتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کوالگ الگ لے جا کر پوچھ گچھ کرنے۔ غرض چھ گھنٹی رات کو تو پہنیں چلتی کہ کتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا۔ محلے والوں نے انجلیار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کوسم کا تارہ کرتی تھی۔ اب ہفتے عشرے سے اُن بے گھوسنے نے بیان دیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں۔ کبھی کسی نے دودھ کو برائیں بتایا۔ کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملوٹی ہوتی بے اور ہندیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر اٹھے پاؤں ہندیا لے کر باہر آئی کہ یہوی نہیں تھیں میں نے وہی ہندیاں جوں کی توں چھوٹے گھر میں بسیجھ دی۔ دونوں گھروں کی ماماؤں نے یک زبان گواہی دی کہ گھوسنے نے دودھ کبھی برائیں دیا۔ حکیم عطار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجنا بیٹھتا بے اور جس دن میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا بے اور میری دکان میں سنگھیا بھی رہتی بے مگر میری سخت تاکید بے کہ دیکھو سنگھیا، کچلا، جمال گھوٹا، شخبرف، ہر تال، بچناگ، دھتو رہ اس قسم کی چیزیں انجان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا شہر میں کوئی عطا بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو لمبا یا بہترا ڈھونڈا اتفاق سے اس وقت نہیں ملا بلکہ کتوالی والوں کو شہر ہوا کہ کہیں خبر پا کر دوپٹ تو نہیں ہو گیا۔ بس اس کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اتنی وقت لکھا پڑھی ہو کر چالاں ہو جاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی۔ کتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرا سب سے پہلے میاں مشحونیں ہوئے، پھر تو باری باری سے اوپر سوریہ کوئی جلدی، کوئی دریہ میں سکڑی، بلی بولائی، کبوتر چکرائے، مرغیاں اونگتے لگیں۔ ماں مارے تے اور ستون کے بدھواں ہو گئی، ڈولی میں لا داس کے گھر پہنچوایا اس کا بیٹا تھانے میں نوکر تھا۔ سننے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا۔ ماں کو دیکھا تو آدمی کوئی نہیں پہچانتی تھی۔ نیم جان کو اٹھا کر ہسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا۔ پانی جو پیٹ میں سے بکا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال دیکھا تو سنگھیا تھی۔ آخر ڈاکٹر نے سوق سوق کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنگھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس کے پیٹ میں سے نکلی بے۔ اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہو گی تو تاعدے کی رو سے اس کو مرنا نہیں چاہیے۔ غرض سنگھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہو گا اور تسلی دینا شروع کیا۔ اگلے دن صحیح ہوتے ہوئے بیمار کی طبیعت پچھے سنبھلی آخروٹ پیٹ کر کچھ اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روجگار لگ گیا کہ جب تک زندگی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بینہنے نہ رجاتی تھی۔ ادھر ہر یاں کے یہاں جس جانور نے ذراتی فرنی کھائی سمجھی کی تو موت آئی۔ ہر یاں اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھنٹی دن رہتے تو کتوالی کے لوگ مردانے میں آبھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فرنی کی تلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں تو کتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کوالگ الگ لے جا کر پوچھ گچھ کرنے۔ غرض چھ گھنٹی رات کو تو پہنیں چلتی کہ کتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا۔ محلے والوں نے انجلیار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کوسم کا تارہ کرتی تھی۔ اب ہفتے عشرے سے اُن بے گھوسنے نے بیان دیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں۔ کبھی کسی نے دودھ کو برائیں بتایا۔ کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملوٹی ہوتی بے اور ہندیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر اٹھے پاؤں ہندیا لے کر باہر آئی کہ یہوی نہیں تھیں میں نے وہی ہندیاں جوں کی توں چھوٹے گھر میں بسیجھ دی۔ دونوں گھروں کی ماماؤں نے یک زبان گواہی دی کہ گھوسنے نے دودھ کبھی برائیں دیا۔ حکیم عطار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجنا بیٹھتا بے اور جس دن میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا بے اور میری دکان میں سنگھیا بھی رہتی بے مگر میری سخت تاکید بے کہ دیکھو سنگھیا، کچلا، جمال گھوٹا، شخبرف، ہر تال، بچناگ، دھتو رہ اس قسم کی چیزیں انجان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا شہر میں کوئی عطا بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو لمبا یا بہترا ڈھونڈا اتفاق سے اس وقت نہیں ملا بلکہ کتوالی والوں کو شہر ہوا کہ کہیں خبر پا کر دوپٹ تو نہیں ہو گیا۔ بس اس کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اتنی وقت لکھا پڑھی ہو کر چالاں ہو جاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی۔ کتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرا

نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جا کر اس سے پوچھ پا چھ کر لیں۔ اتنے میں تو سید ناظر خبر پا کر آم موجود ہوئے۔ اگر ناظر ذرا سی دیر اور نہ آتے تو خاتون کی کیا صلح تھی کوتولی والے تو اس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ اس فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیج کر خود بیگم صاحبہ کی مزانت پر تی کریں۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کارنگ بدلت گیا۔ کوتولی نے مناسب سمجھا کہ رات گئی زیادہ اس وقت تحقیقات کو ماقوی کیا جائے۔ فرنی کی تلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دنوں ہمارے باتح میں ہیں۔ اب ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں تو کیا کر لیں گے ماں کے پیٹ میں سے سنکھیا نکل چکی بے اور اس میں شک نہیں کریا۔ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے مرے اور فرنی میں سنکھیا موجوداب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی۔ سونہ دو دنوں سو کنوں سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ دو دنوں کی عدالت سے۔ زہرخوردی کا مقدمہ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔ صاحب محشر بیٹ کوتولی کے چالان کئے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور ان کو کوتولی کے ساتھ خداواستے ایک ضدتی آپری ہے۔ لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب پر نہندنٹ کو سمجھا کر صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کے جواب دینے بن نہ پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا بڑا گھمنڈ بے۔ بڑی مدت میں اونٹ پیاڑ کے تلے آیا بے دیکھیں تو اب ہائیکورٹ کی کون سی نظیر پیش کر کے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتولی خاتون کو ناظر کے سپرد کر جوالہ تامہ لکھو اگھوں کے ساتھ سے چلتا ہوا اور سیدھا پہنچا صاحب پر نہندنٹ کے پاس، اور ان کو مقدمے کی روادا سمجھا کر کہا کہ مقدمہ نہ سنگین اور مجرم عورتیں پر دلنشیں سید ناظر وکیل کا نام حسنور نے سنایا۔ اصل میں ان کی بہن نے سوکن کو ہر دوایا مگر وہ اتفاق سے نیچ گئی کل حسنور بھی واقعہ واردات تک چلیں ورنہ وکیل صاحب بڑے شور و پشت اور اقہ بدمعاش ہیں۔ ہم لوگوں کے تابو میں آنے والی اسمائی نہیں۔ ادھر بہن کے پاس تو دیکھا مارے ہوں کے دست پر دست چلے آرہے ہیں۔ دیکھنے کے ساتھ ہوش ہی تو خطاب ہو گئے اور سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی حالت ہے۔ آخر بہن سے اننا کہا کہ بڑے بھائی نے تم کو اس قدر رذرا دھمکا دیا تھا۔ گرتم نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچھ بہت کی بیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیونکر ہوئی بس اب تین پہر رات اور بیچ ہوئی اور نہماری ڈولی کوتولی چلی۔ بھائی کے مدد سے اتنی بات سن غیرت بیگم کو اور تو پچھنہ سو جھا۔ بہت دن ہوئے تو اہل بھرا فیون بن گلوا کر صندوچے میں رکھ چھوڑی تھی۔ دوڑی کوٹھڑی میں جاصندوچے کھول افیون کا گولا نگل۔ اوپر سے بھر کٹورا پانی کا پلیا۔ بتوں کی اتنا کویہ حال معلوم تھا کہ انہوں نے صندوچے میں افیون رکھ چھوڑی تھے۔ دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی بتیں سن رہی تھیں یہی کو جو اس طرح گھبرا کر اندر ہیری کوٹھڑی میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو چار پانی پر لٹا پیٹھ ہوئی بھاگی۔ کہاے ب۔ خاک بڑے ایسے جگڑے پر اواب تو دشمنوں کو ٹھنڈک

پڑی وہ بیوی نے افسون کھانی۔ اتنے میں غیرت بیگم بھی کوٹھری سے کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تر ددمت کرو؛ مجھے بری سے خدا نے تم سب کا پیچھا چھڑایا، صحیح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتواں کو اختیار نہ میرا مرد دلے جا کر کوتواں میں دفن کرے۔ زبرخور انی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خود کشی کا دوسرا اور ہوا۔ عصوم اور ہنول دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کروئی کہ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلہ نادیکھا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ بھی دنیا میں تحوزہ دیر کی مہماں اور بے پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اس کے سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارانے کنڈی، کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ اجازت لی، منہ اٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا، دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے۔ بتا نے آہٹ پا کر دور سے ڈالنا ایس یہ کیا بد تینزی بے اندھے ہوتم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے۔ اس مرتبہ بہن کو مداخت بے جا کی ناش پر آمادہ کرتے تھے۔ اب یہ مداخت بے جا نہیں ہے۔

**تاظر:** اللہ رے تیرا پردہ، نوسو چوبے کھا کے بلى جو کو چلی یہی نالائق پردے والی بنی تو پردے والی نے افسون کھانی اور دنیا جہاں سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔

بتا: الحمد للہ خس کم جہاں پاک۔ مگر تم خیریت سے چلتے پھرتے تو انظر آؤ سامنے سے پرے ہٹتے ہو یا میں اٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤ۔“ بتا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا بتا کی چھاتی پر پھر تو دونوں میں خوب کشی ہوئی، ناظر دیہات میں پیدا ہوا۔ دیہات میں پاہاتھ پاؤں کا ڈھانگھیا بر سوں اکھاڑے کا لڑا ہوا۔ بیسوں داؤ یا ڈچاپسوں گھاتیں معلوم، سیکڑوں پیچ رواں اور ارب تک بھی دو وقت ڈنڈ مگر کبھی اس نے تاغہ ہونے نہیں دیجے۔ بتا بے چارے ناز نین میر پھوپھا مرز امہین، ناظر نے وہ پنجیاں دیں اور ایسا رگڑا کر آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس اور پر کا اور پر نیچے کا نیچے۔ بتا کے پاس پھیکتی پھیکتی کل جمع تین حرے بے چنکیاں لیما، نوچنا، کامنا، سونا نظر کی پھرتی کے مقابلہ میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ بتا کو اگر معلوم ہوتا کہ یہ کم بخت چھوٹا کھونا چھاپرتم ایسے غصب کا بچھا ہوابے تو کبھی بھول کر بھی اس سے دو بدو نہ ہوتا مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیباں کر کے ہر طرح کی مصیبۃ اٹھانی تھی چھوٹا سمجھ کر اس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی سعادت گنوائی ہریاں نے دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اچھا لے اچھا لے پڑا پھرتا ہے۔ بیباں سے اٹھایا اور وہاں دے مارا۔ ادھر سے اچھا لاء اوہر لاء پنکا ایسی دہشت دل میں سائی کہ اس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا افساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر کیا بتا جیتا چھوڑتا و تو خدا کا کرنا شین وقت پر سید حاضر آپنے دیکھا تو گھر میں مجموعہ تعریریات ہند پھیلا پڑا بے مگر کیا قائم مزان آدمی تھا آتے کے ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور بتا کو چھڑایا، پھر نمک ڈال بھر بھرا وہ گرم پانی غیرت بیگم کو پانا شروع کیا۔ غیرت بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کونہ لگانے دیتی مگر

کچھ تو بڑے بھائی کا لحاظ اور ادھر پہنچے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہر یا لی کا حمل تو گر گیا۔ بے عذر خوب ڈگڈ گا کر پانی پی لیا۔ پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ استغراق ہوا اور استغراق کے ساتھ کھٹ سے انہیں کا گواسموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا۔ ادھر ہر یا لی کی خدمت کے لیے دو ہری دو ہری داییاں بلوائیں اور پھر بتا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند قم دونوں کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور یقین تو یہ ہے کہ مزان میرا بھی ٹھیکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آڑھی رات ڈھانچکی بے۔ صرف سوا پہر کی مہلت ہے۔ سامان تو بد قسمتی سے ایسا جم جہاں ہوابن کے اب آبرو پیتھی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر بنی تو سب سے پہلے شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں، دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد و تقدیر کا مرد ہورت کوئی آ کر بھی جھانکا! یقین کہا بے گاڑھی بھر آشنا کام کی نہیں اور رتی بھرنا تا کام آتا ہے۔ بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ جب تا تے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم اونگ آپس ہی میں ٹڑنے لگے جس طرح پر قم دونوں میں اڑائی شروع ہوئی۔ میں سب سن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے تو قم نہیں رکھنی چاہیے کہ میں ایک کو ملزم بھرہاؤں اور دوسرے کو بری۔ جس طرح تا تی ایک با تحفے نہیں بھتی اسی طرح اڑائی بھی ایک کے اڑنے سے نہیں اڑی جاتی۔ میں تم دونوں کو برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر یقین بھی ہو جاتی ہے تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جدا ہیں اور باطن میں ایک۔ غیرت بیگم کا انہیں سن کر بتا بھائی کو منہ سے الحمد للہ کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن جب غیرت بیگم کی مدت حیات پوری ہو اور خدا کرے کہ بتا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر نج کرنے والے بھی یہی ہوں گے گھر کس کا بر باد ہو گا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں کی ماری ماری بھرے گی، ان کی کنبے والوں کا میل ملا پ کس سے چھوٹ جائے گا، ان سے بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کے ساتھ ہوتی ہے۔ یعنی تمدنی عزت و دکھیں کی جاتی ربے گی ان کی۔ اس میں شکن نہیں چھوٹی بھاونت کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں۔ اور پڑنے ضرور تھے مگر بھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹا نک بھر تو بتا بھائی کو سیر بھر ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ بتا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہتے گران کے نلوں سے لگی ہے۔ تااظر کیا تم سے کوئی خیر کی توقع کرے گا۔ جب تم ایسی مصیبت میں بتا بھائی کی مدد نہ کرو۔ ہزاروں مقدموں میں تم بے طمع صلد پیر وی کرتے ہو اس ایک مقدمے میں صلد رحم کو صلد سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجی کی خاطر سے غصے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت نکالو اور تم بتا بھائی از برائے خدار مرم کرو، اپنے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر قم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتنا قم نہیں پڑا۔ کتوالی والے مدت سے تم پر دانت لگائے ہیں۔ خدا جانے کس بنا میں تم کو پہنسا دیں گے۔ تااظر تم بار انور دنبے۔ اگر اس نے بتیزی کی تو بہت برائیا۔

جھک مارا میں اس کی طرف سے معدورت کرتا اور تمہاری تجوڑی میں باتھ ڈالتا ہوں۔ جانے دو معاف کرو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر بتا کے پیروں پر گرا یا اور ناظر اور بتا دونوں کو گلے لگا یا۔ وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے مل کر رہے ہیں کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پبلے سے تھا اب ان کو روتا دیجئے کہ آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کیا کرتا چاہیے؟

**ناظر:** خیراب آپ فرماتے ہیں اور آپ کا قدم درمیان میں بٹو میں اس مقدمہ میں باتھ ڈالتا ہوں مگر بتا بھائی نے آنے اس رندھی کے سامنے (آپ بر امانیں یا بھلامانیں میں تو اس کو ساری عمر بجاوں کہنے والا نہیں) جیسا ذہل کیا ہے کہ میں اس رنج کو بھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپ نے میرے بیٹھے پر انہوں کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں ہم صلاح ہو کر تم پیر کریں۔ انہوں نے مجھ کو دروازہ میں سے دیکھ کر اس طرح دھنکارا کہ کوئی کتنے کو بھی نہیں دھنکارتا، مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انہوں نے تو شرم اور حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یا آپ کے سامنے میرا منہ کھلواتے ہیں۔ کل کی بات بے کہ بھی نالائق جو آن تڑا المباچوڑا پر دلگا کرنیجھی ہے۔ (بے اختیار جی چاہتا ہے بے کہ مارے جو یوں کے بد ذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) نکلے پر ماری پڑی پھر تی تھی اور کوئی اس پر تھوکتا بھی نہ تھا۔ ان ہی سے پوچھنے کہ کئی بار میرے یہاں اس کا مجرما ہوا۔ جب آتی تھی ڈیوڑھی میں سے فرشی سلام یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے اس کی بے پر دگی ہوتی ہے۔ عزت بنانے سے نہیں بنتی بلکہ خدا داد چیز ہے۔ آتی یہ پر دشیں بنی کل کو سیدانی بن کر چاہتے گی کہ ہماری ماڈیں بہنوں کے ساتھ یہوی کی صحنک کھائے پرسوں اس کے بال پچھے کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتھ کرتی ہوں تو کوئی بھلامانیں اس کو جائز رکھے گا! یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپ کا صبر پڑ رہا ہے۔ اور بھی کیا بے مظلمه تو بتا بھائی کو ایسے ناق نچائے گا کہ ہر یا لی کو ساری عمر ایسا ناق تاپنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ ناظر تو با توں با توں میں گرم ہو جاتا تھا اور بتا کے چہرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں کہ اب کے پھر کہیں یہ ہن لپٹ پڑا تو بڑی پسلی ایک کر کے رکھ دے گا۔ حاضر کے بینے کی اگر ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ بتا کی گھاٹھی بندھ جائے۔ بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تم پھر بگاڑ کی تی با تین کرتے ہو۔ یہ سوچ بے کہ بتا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا مگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ ہم غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا کیجیں۔

**ناظر:** یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اس سے آپ اطمینان رکھئے بتا بھائی کو روپسی تو بہت خرق کرنا پڑے گا۔ ایسا کوئی پانچ چھ بزرگ مرخانے چاہا تو ان پر اور ان کے طفیل میں ہر یا لی پر کوئی گز نہ نہیں آنے پائے گا۔

اس وقت تک بتا کو مقدمہ کی واقعی روادا رکتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ در پیش۔ سنکھیا اسی غرض سے ہم دونوں کھانیں اور مرکرہ جائیں۔ خدا کی تدرست ہم دونوں کے منہ پر رکھنے کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اور اپر ہی اوپر ماکے بیٹھنے جاسکا رہا میں خبر پہنچائی۔ اب لینے کے دینے پڑے۔ غیرت بیگم کو پھانسی ہوتی پھانسی، نمر قید میں تو شک ہی نہیں، چلوستے چھوٹے اور روز کامنغاہ تباہ ناظر کے منہ سے یہ کلام سن کر کہ پانچ چھ بزرارو پی خرق کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائے گا۔ بتا تو حیران ہو کر اس کامنہ دیکھنے لگا اور بے اختیار بول اٹھا کیوں صاحب! اللہ چور رکتوال کوڈا نئے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لیے پانچ چھ بزرار رو پیہی خرق کروں کیا انگریز کی عمل داری میں یہی انصاف بنے۔

**ناظر:** ہوش کی بخواہ تماش بینی اور شہ بے اور مقدمہ کی باریکی کو پہنچنا کچھ اور چیز بے۔ تم کو تنا معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے اور مقدمہ کس جانور کا نام بے۔ میں تو زبان دے چکا ہوں اور بد عبدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لیے چند تہبہ کی باتیں تم کو سمجھاتا ہوں کہ توالی کی تحقیقات کو تو عدالت میں کوئی پوچھتا تک نہیں روادوی معتبر بے جو عدالت کی مثل میں ہو کیا تم نہیں دیکھا کہ توالی کے لوگ زبانی پوچھ گچھو کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کرنے میں سکتے۔ اصل بات یہ بے کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یا لوگ لگے اظہار کارگزاری کے لیے ہر واردات بے سراش کے لیے مجرم بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کر کے بے گناہوں کو تا حق پہنچانے تو سرکار نے کوتوالی اور فوجداری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی واوں کا اتنا ہی اختیار بے کہ جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکم عدالت کے پاس چالان کر دیں۔ حاکم عدالت مدعی اور مدعا عالیہ گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا بے اور اپنے یہاں کی روادا رسایارہا کرتا بے۔ کوتوالی والے اتا پ شناپ جس کو پکڑ کر پاتے ہیں جالان کر دیتے ہیں عدالت میں گئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب محستر بیٹ کوتوالی سے اس قدر بڑن ہیں کہ محستر یعنی کا جا اس کرتے ہوئے پورا برس نہیں اتنے ہی دونوں میں کوتوالی واوں سے جیل خانہ بھر دیا۔ غرض کوتوال اور ان کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں۔ اب روگی مقدمے کی روادا سواں کا یہ سوال بنے کہ سنکھیا حقیقت میں پکڑی گئی ہریالی کے یہاں پس مدعا عالیہ اول ہوئی ہریالی اور پہلے اسی پر استباہ کیا جائے گا کہ اسی نے فرنی میں ڈالی یا ڈاوانی۔

**بتا!**: بھلا و کم بخت بد نصیب کس کو سنکھیا دینے اٹھی تھی اپنے تینی یا مجھ کویا اپنی ماکو جو سال ہا سال سے نوکر بے اور کبھی اس کو پھٹے منہ تک نہیں کھایا اپنے پالے ہوئے جانوروں کی توبات الگ بے لیکن دوسرا سے احتمالات میں تو کوئی استبعاد کی بات نہیں بے۔

تاظر: ہو سکتا ہے کہ اس نے زہر دینا چاہا ہو تو عجب نہیں بازاری خاقت کا بھروسہ کیا خدا جانے اس نے کیا سمجھ کر تم سے نکاح پڑھوایا اور اب جو اس کی مراد برنا آئی تو اس نے اپنائی چھڑانے کے لیے یہ تدبیر کی۔ اگر وہ اپنی حالت سا تقدہ پر عود کرنے کی آرزو ممند ہو تو اس سے کچھ دور نہیں۔ ماماتم خود کہتے ہو کہ اس کے پاس مدت سے بے تو ضرور اس کے پچھلے حالات سے بخوبی والتف ہو گی اور عداوت کے لیے اتنی بات کافی ہے اور سنکھیا کے لیے تمہاری اور ہریالی ماما کی کیا تخصیص ہے۔ معموم سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہے وہ یقیناً اس کی جان کی دشمن ہے۔ ان کے ملاوہ اختال اور بے اور وہ سب میں زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ کے پہنسانے کے لیے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہے ورنہ سبب کیا کہ جانوروں تک فرنی کھلانے اور آپ منہ تک نہ لے جائے۔ اور بذات نے کیا جالا کی اور بے محی کی بے کہ بے زیادہ جانوروں کو تو اتنی فرنی محسانی کیا یہ نہ بچال بول گا شہیدوں میں داخل کیا۔ گھوسن کی گواہی پر کچھ لحاظ نہ ہو گا؟

کیا معلوم کہ عدالت تک پہنچتے پہنچتے گھوسن اپنے بیان پر قائم بھی رہتی ہے یا نہیں اور فرض کرو قائم رب تو اس نے سنکھیا کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں تم تاکل ہے وہ کہتی ہے کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہندی یا اپس کر دی۔ بہت خوب۔ ہریالی نے جب یہ سن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ براس سمجھ کرو اپس کیا گیا تو اس نے چپ چپا تے ضرورت سے زیادہ بھری کی بھری ہندیا رکھ کیوں لی۔ بس سیمیں تو پانی مرتاب اس سے صاف شبد ہوتا ہے کہ ہریالی نے گھوسن سے مل کر اتنی کے گھر دودھ میں سنکھیا گھلوائی اور جب خاتون دھوکے میں آئی تو دوسرا چال چالی اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی اور تم دونبیں ہو، ہریالی کا کرنا نہیں تمہارا کرتا ہے اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبت آنے دو دیکھو تو وہ کیا زہر گلتی ہے۔ کوڈالی واوس کی کارروائی میں فی الواقع نیشہ ایک بڑا نقش یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پبلے مقدمہ کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اصرار اخیر تک اسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں جو باقی میں نہ تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں، ان میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہو گا اور ہم لوگوں کو تو باقی میں حاکم کی میز پر سوچتی ہیں، میں وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہے کہ خود بخود بات میں سے بات نکلی چل آتی ہے۔ بتانا کی ساری بہت تمام عمر ہی مصروف حسن و عشق میں مدعا اور مدعا نالیہ بنادر کنار اور اس کو بھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا۔ بچپن کالا ڈالا جوانی کا چھیلا وہ دو کیلوں کے چبل فریب کیا سمجھنے ناظر نے جو انہی سیدھی باتیں سمجھائیں چلکے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بپتا، سنکھیا کا غصہ ہریالی کا رخ اپنی چوٹ۔ اگلے پچھلے گلے شکوئے سب کچھ بھلا بر اناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا بے اور نیچے تم۔ چاہو مارو، چاہو جالا، چاہو اجڑو، چاہو بساو۔

تاظر: مقدمہ تو میری طرف آگیا ہوا اور جھوکہ مقدمہ کا میں ہمہ لے چکا خرق کا بندوبست تم کرو۔

بِتَالا: خرث کا بندو بست بھی تم ہی کو کرنا پڑے گا تم کتو ہر گھر کا ذرا ذرا حال معلوم بے۔

ناظر: کیا مضا نقہ خرث کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

بِتَالا: کوڑی کوڑی۔

ناظر: خیر آپ دور رفتے میرے نام لکھئے ایک توکل کی تاریخ میں کہ چوبیوں کی جیسی اکثرت بے تم کو معلوم بے اب تو یہ نوبت پہنچتی بے کہ کھوئیوں پر لکھے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر مکٹھے کئے ڈالتے ہیں، تاچار تھوڑی سکھیا مانگاوائی پڑیا چھوٹے گھر کے تھق والے دلائیں میں اس خیال سے کہ کسی کا با تھنہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا بے کل کیا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپنے کی کھانڈ کا پڑا آیا اور جیسا وستور بے پڑے کے ساتھ نہونے کی پڑیا۔ سکھیا کا تو خیال نہ تھا۔ کھانڈ کا پڑا اور پڑیا دونوں کو اس طاق میں رکھادیا جس میں سکھیا کی پڑیا تھی۔ آن خود گھروائی نے اپنے با تھ سے فرنی میں کھانڈ ڈالی تو انہوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پڑا اور پڑیا دونوں اتارتی انہیں مگر پڑیا سکھیا کی باور پچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور پونکہ دل میں کسی طرح کا کشکانا نہ تھا۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں فرنی پک کرتیا ہو گئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھروائی نے اپنے شوق کے لیے پال رکھے تھے اور جو دیکھی میں رو گئی تھی مامانے پوچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بیچ گئی کتو الی کے اوگ مقدمہ کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختار کارانہ اس کی خیر گیری کرو اور دوسرا قعاب سے مہینے سو مہینے جتنے دن پہلے کا جا ہو لکھ دو کہ مجھ کو اتنے روپے کی ضرورت بے جہا سے بن پڑے بندو بست کردو۔ بس اللہ اللہ خیر صلا اور چین سے پیر پھیلا کر سور ہو۔ سکھیا کے رفتے کا مضمون سن کر تو بتا کی عتمل دنگ رہ گئی اور سمجھا کہ ظریبھی بڑا ہر کا بجھا ہوا بے۔ دیکھو تو مغز سے بات اتاری بے۔ ایسے شخص سے پار لے جا سکتا ہوں۔ میرا بچاؤ تو اسی میں بے کہ تو یہ کہے اس میں ذرا کان نہ ہلاوں غرض اسی وقت دونوں رفتے لکھ ناظر کے با تھ دیئے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صحیح کتو ال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہو گا؟ ناظر نے کہا اب بندہ درگاہ کے رہتے کتو ال صاحب کیا آتے ہیں، آب آمد تینم برخاست اور اگر آئے بھی تو کتو ال بن کر نہیں مذحال بدحال سراپا اضحاہ ایں۔

بِتَالا: اور کیوں صاحب جیسا اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس نے انگریز کو جو کتو الی کا افسر بے لاکھڑا کیا؟

ناظر: او ہم سے زد برادر شغال۔ با وجدو کیہ ابھی جب ت پاتھا ناظر فور اسوار ہو سیدھا کتو ال کے پاس پہنچا، کتو ال سمجھا کہ ایسے وقت آئے ہیں تو معلوم ہوتا بے ضرور کچھ نہ کچھ بونچی کرائیں گے۔ دور سے ہنس کر بولا آئیے آن تو سوریہ سے سوریہ سے اچھے تھی کے درشن ہوئے۔ میں تو آپ کے یہاں آنے کو ودی پہن کرتیا لیس بیٹھا ہوں۔ صاحب

پر نہ نہ نہ سے سات بجے کا وعدہ بے۔

ناظر: کیا تیر بیٹھے ہو وہاں تورات بڑا غصب ہو گیا۔

کتوال: کیا کوئی اور صاحب سکھیا کھا کر شہید ہوئے۔

ناظر: نہیں سکھیا نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں بتا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت بے پورے دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپ کے سپاہیوں نے اس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت تو اس کی آپ کے رہتے ہی گزر چلی تھی، آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پہنچ سکے ہوں گے کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ ساری رات اسی کے تردید میں پلک نہ چھپکی۔ خیر حمل تو حمل اب اس کی جان کے لے پڑے ہیں۔ دیکھئے وہ بھی پتی بے یا نہیں۔ بتا بھائی کو اس عورت کے ساتھ اس درجہ کا عشق بے کہ جس وقت سے یہ واردات ہوئی بے۔ سارے گھر میں بولائے بولائے پڑے پھر ربے ہیں وہ تو ڈاکٹر چنیلی کو باتے تھے۔ میں نے بہ ہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے قابو کی نہیں رہتی۔ ایک چھوڑ دو دو دیاں بلوادی ہیں بارے اب کہیں جا کر کسی قد رطبیت سنبھلی تو میں آپ کے پاس بھاگا ہوا آیا۔ میں تو رتم لکھنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا جانے کس کے ساتھ پڑے۔ آپ چل کر کہنا چاہیے۔

یہ کہنا تھا کہ کتوال کو کاٹو بدن میں بیوی کی بوندھیں۔ گزگڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تا بعد اروں کی مجال بے کڈ رائیں دھمکا نہیں یا کوئی خلاف قاعدہ کا رواں کریں۔ آپ جس وقت تشریف لائے ہیں آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ مردانے میں صرف دو ہی کاشیبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بے چارے الگ اصل بل کے پاس کھڑے تھے۔ میں نے آپ کے آدمی و فادر کے ساتھ ماماؤں اور اونڈیوں کو بابا کر ہو لے سے دو دو باتیں پوچھ لیں۔ اصل حقیقت تو یہ بے اور ہم نے تو جس دن پولیس میں نام لکھوایا اسی دن سمجھلیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی تیسی نوکری ہی اس قسم کی بے کوکلوں کی دکانداری کر بے کالا منہ ہوئے نہیں رہتا۔ بڑوں کا کہا اور آن لوے کا کھایا پیچھے مزدودیتا بے۔ اللہ جی نے بتیرا سر پکتے رب کہ ہم لوگ سخیرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیس سزاوار نہیں۔ ہر کارے وہ مردے اس وقت ان کی بات پکھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کئے کی سزا پائی۔

ناظر: یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے بے جا کا رواں نہیں کی ہو گی۔ آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا۔ سارا شہر آپ کا مدداح بے۔ اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے کوکلوں کا چھنا بھی مجال تھا خصوصاً صاحب محضر یہ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچھ دل کی ہوتی ہیں آپ خوب جانتے ہیں۔ آپ کا ہی آنس کران کے تو باتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے اور پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہ دی ہو گی، حالت تو نازک تھی ہی او نگھنے کو ٹھیک کا بہانہ

ہو گیا۔ چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی کہ جانور مرے ماما کو دست آئے، فرنی میں سماں ہی انگلی۔ بڑا گھر جس کو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں، وہاں کیا حال تھا۔ جا کر دیکھتا ہوں تو چوپا ہاتھ نہیں ساگا۔ وہ تو جب میں سمجھا کہ یہ کیا اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہو جاتی ہیں، اور آخر کار مقدمہ داخل دفتر، تب سب کو سلسلی ہوئی۔

کتوال: اتفاقی کیسی!

تب ناظر نے بتا کا رقعہ دیا کہ وہ خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو حصہ کھلا کر مارڈا لاتھا اور شاید آپ ہی نے اس مقدمہ کی بھی تحقیقات کی تھیں کل اس کی پیشی تھی اور میں مدعا عالیہ کا وکیل تھا۔ آپ کے استاذ پر نئندھن بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لیے موجود تھے۔ بڑے بڑے مبانی شرب آخراں اسے چار بجتے بجتے مدعا عالیہ کی رہائی ہوئی ہاں تو یہ رقعہ مجھ کو نہیں اجا اس پر ملا تھا اور اس کو دیکھ کر میں پچھری سے سیدھا ہو ہیں چاگیا۔ کتوال نے رقعہ پڑھاتے مقدمہ کی طرف سے بھی اس کی آس نوٹ گئی۔ کمر سے کرق کھول ناظر کے پیروں میں رکھ دی کہ نوکری تو یہ حاضر بے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک سمجھے کہ عزت پر با تھنڈائی۔ ناظر نے بہت تنسی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل میں پچھے فساد ہوتا تو میں اس سویرے اندھیرے منہ آپ کے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا۔ خیر جو پچھہ ہوتا تھا سو ہوا۔ میں جس طرح بن پڑے گا، بتا بھائی کو سمجھا اول گا۔ جب سے انہوں نے دوسرا عورت کرنی بے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دو اور رہن کا خرچ اور اپر سے سو دوسرے پیسے اور ان کو دے دیا جائے گا اور ہاں سماں کے مقدمے میں آپ ان کو پچھوڑ یاد چھپڑ چھاڑنہ سمجھئے گا۔ اس میں پچھہ ہوتا ہوتا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا تو کتوال نے کہا پھر اس کرق کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دیں گے تو میں کمر سے لگا اول گا ورنہ جہاں پڑی بُرے بُرے رب گی۔ ناظر نے جلدی سے کرق اٹھا۔ بسم اللہ کر کے کتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کتوالی دی۔ کتوال نے کہا۔ بس اب ہاتھ پکڑنے کی لائن آپ کو کرنی ہو گی۔ صاحب پر نئندھن کو وہاں ایک اور ضرورت پیش آ گئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا اور کی ایک دو بھی نہیں، اکٹھی آدھی درہن بولیں چوری ہو گئیں۔ صاحب نے پیچھی لکھی اور پر نئندھن صاحب اس کی تحقیقات کو بھاگے گئے کتوالی سے کہا۔ بھیجا ہمارا آنہمیں ہو سکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود پر نئندھن صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کتوال صاحب وہ کسی وکیل صاحب کے یہاں کی زہر خواری کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ کتوال نے کہا حسون فدوی نے تو اگلے ہی دن ۳۰ نومبر کا روز ناچہ خاص سمجھی دیا تھا کہ واردات اتفاقی بے بات رفت و گزشت ہوئی۔

دو چار دن تو بتا کو کھلکار ہا پھر اس نے دیکھا کہ کتوالی والوں میں سے کسی نے آ کر بھی نہ جھانکا تو اس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزان میں پچھا اس طرح کا درخور ہے، کہ آن جو پابند سوکر گزرے۔

ناظر نے اس مقدمے میں اچھی بردباری کی بزار روپے تو چکے سے اس نے وہ انگوائے جو خاتون کئی غیرت بیگم کو بہکا پھسالا کر لے اڑی تھی اور رفعت کے بد لے بتا سے اس کے حصے کی دکانوں کا قطعنی نامہ اپنے نام لکھوا لیا اور پھر سب میں سرخرو۔ اب بیچارے بتا کے پاس پینیٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیں روپے میں کی زی تنخوا ہیں رہ گئیں۔ وہ کس طرح کی کوئی چھٹے میں آدھی پاؤ وصول ہوئی تو کوئی برس بعد اور کوئی مار میں بھی آگئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک اوتا پانی تو اس کے گھر میں سے بتا کو دے دیکھے، غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی بتا کی کون تی قدر کی جاتی تھی، اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی انظروں سے گر گیا۔ پہلے بے رخی تھی۔ رفتہ رفتہ بد مزاجی ہوئی۔ بد مزاجی سے بد مانگی کی نوبت پہنچ گئی بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستحب ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن پہنچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا۔ اب بتا کو اتنا آتا بھی گوار نہیں۔ غیرت بیگم کو بتا سے بات چیت کئے ہوئے پرسوں گزر گئے تھے، اونڈیاں ماماںیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں کہ باری کے دن بچوں اضاف کر دیا۔ جب تک گھر میں بیٹھے حق کی خبر رکھی کھانے کو پوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضاائقہ ہونے لگا۔ بتا اکھر گزر اتحا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے وقاری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری کو تپ لرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا جیسے مرد نکیرین سے تھا خاستہ دل آتا اور برخاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی شگین وار داتیں گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکیر تک نہ پھوٹے، غیرت بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑ کئے۔ مقدمہ اور دھوپی اور حال خور وغیرہ جتنے اہل خدمت تھے۔ ان تک کی بندی ہو گئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں۔ ناچار لگلی کی طرف کا قدم دروازہ جو متوں سے بند تھا۔ تیغاتوڑ کر کھوات ات کام چا۔

### بنتا اور ہر یا می کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع و خرق رہا کہ غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوئی کاٹ لیا اور ہر یا می نے اپنی جگہ پکار پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا تب تک اگرچہ پوچھو تو ہر یا می کی جیت تھی کیونکہ بنتا اس کے پلے پر تھا اور آمد نی کے حساب سے دونوں گھر برادر برادر اب جو پیشہ کے رہ گئے ستائیں تو اس کا ایمان ڈگنا گھاڑا اور بنتا سے ادھرا کیلئے گھر میں سماں ہوا اور ادھر مردانہ دو گھروں میں پیشہ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی کہ خیر گز رہوتی چل گئی۔

ہر یا می: تم اپنے ہاتھ میں خرق رکھتے ہو ت تو حقیقت کھلتی اور تمہارے ہڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اب ای دال ملتی بے اور وہ بھی ایک وقت بچوں کا سودا سلف تو درکنار، بھی آدمی کے پنے لے کر دینے نصیب۔۔۔ نہیں ہوئے۔ اب تم نے پیشہ کے ستائیں کرائے ہیں تو تم ہی خرق کا انتظام بھی کرو میں کوئی اپنی ابوٹیاں کاٹ کاٹ تو کھلانے سے رہی۔

بنتا: ”پیشہ کے ستائیں میں نے کرائے ہیں۔“

ہر یا می: جانے بالتم نے کرائے ہیں یا انہوں نے جو تمہارے پکھ لگتے ہیں۔

بنتا: تم ہی نے فرنی پکا کر بیٹھے بٹھائے۔ سارا فساد برپا کیا اور الٹا مجھ کو والا ہنادیتی ہو۔

ہر یا می: مجھے خرب تھی کر دشمنوں نے دودھ میں سکھیا گھول کر میری جان لینے کا سامان کیا بے۔

بنتا: اسی کا تو پتہ نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سکھیا گھولی۔

ہر یا می: تو کیا میں نے گھولی۔

بنتا: تم نے گھولی تو نہیں مگر تم پر تھپ گئی۔

ہر یا می: تم نے تھپاں تو تھپیں۔

بنتا: ایک نہ شود دشود۔ مہینے میں نے کم کرایا۔ سکھیا کا الزام میں نے تم پر لگایا۔ میں ہی برآہوں تو خدا برے کو موت دے۔

ہر یا می: خدا نے کرے تم کیوں برے ہونے لگے بری میں کہ تمہارے کارن گھر چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آ کر کوئے نے نے گالیاں کھائیں اور بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا۔ دودھ جان کا خطرہ اٹھایا۔

بنتا: تم کو معلوم تھا کہ میرے بیوی نچے ہیں، پھر نہ آئی ہوتی۔ کسی نے زبردستی کی تھی اور اب تمہارے جی چا بے تو اب چل جاؤ۔ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔

ہریالی: ہاں ہاں میں کیا کرتی ہوں میں تمہاری بی بی کو جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی معلوم تھا مگر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم اس طرح کے خیر ہو کر ناظر کی صورت دیکھنے سے تمہارے ہوش باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤں گی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان گنواؤں گی تو ناظر کو جو وکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اس مکار حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا موادی بن کر وعظ کہنے کا آبیٹھتا ہے اور تیری بھینا کو تو اس کی جو روکواں مونے کو تو اس کو جس نے رشو تھیں لے لے کر خون کے مقدموں کو ملایا میٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ تھجھ کو دنیا جہان میں ام شرح سے کر کے جاؤں گی۔ میرا جانا کیا ایسی پلنسی ٹھٹھا بے، میں نے تیرے پیچھے اپنے تینیں خاک میں ملا دیا اور آن تو نے اس کا یہ پھل دیا۔ اب دیکھ میرا تماثا تیرا تو کیا منہ بے مگر با اپنے حملتیوں کو کہ مجھے جاتی کوہو کیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چل، بارے بتا نے۔ ساری نمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اس کو کوٹھڑی میں دھکیل جبٹ اوپر سے کندھی لگادی۔ اس کا راز تو آیدہ مرداں چنیں کنند۔ بتا تو ہریالی کو کوٹھڑی میں بند کر کے باہر چاگیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ما تھی وہ تھی ایک طرح کی اس کی کٹنی اس نے ہریالی کو سمجھایا۔ بی بی مرد کا مزان دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔ اس کم بخت پر تو آپ ہی مصیبیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اور چلیں گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تینیں بیچتا، چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرنا بھرتا اور اگر تمہاری مرضی جانے کی ہو گی تو اس کی سورا ہیں۔ ڈھونڈو را پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے۔ اوھر پان کے بہانے بتا کے پاس گئی اور اس سے کہا میاں برآ کبوٹھیتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے، پر منہ بھر کر یہ کہ بیٹھنا کہ چلی جاتم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات ہے، خیر غصہ حرام ہوتا ہے۔ میاں بی بی کی اڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری عاشق زار اور تم اس پر دل و جان سے شار۔ انھو گھر میں چلو۔ بیوی کی بھی رو تے رو تے پھلی بندھ گئی تھی۔ اب میں نے اٹھا کر زبردستی پانی پالایا ہے۔

## بنتا کی خانہ داری دونوں بیویوں کے ساتھ کس طرح پر تھی

بنتا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتنا قی بات تھی مگر دیکھنا چاہیے ان میں باہمی ارتباٹ کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں نسلتی کی۔ ہریالی نے سمجھا تھا کہ یہ آدمی بے حسن پرست یہوی اس کو بھائی نہیں اور مجھ پر ہو رہا بے اخو۔ میں گئی نہیں اور اس کی یہوی سے رضا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں۔ یہاں آ کر دیکھا تو یہوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپیٹ بے جیسے کمی کو شد۔ یہ بہتری کوشش کرتا ہے کہ اس سے چھوٹ جاؤں مگر اور لختہ تا چا جاتا ہے، چاہیے تھا کہ مجبور سمجھ کر معدود رکھے۔ خود غرضی جبرا اختیار میں فرق کرنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ کرنہیں سکتا تھا اور یہ جانتی تھی کہ اپنے ہیئے پن سے خون نہیں کرتا۔ وہ واری اور قربان تھی جب تک تو قن میں جان تھی نا امیدی کا پیدا ہونا تھا کہ ساتھ رہنے سے الکھر گئی۔ بنتا تو اول دن سے حسن صورت کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوب صورتی کے آگے حسب نسب سایقہ بنسر، عقل، نیکی دینداری کسی چیز کو دیکھتا ہی نہ سنایا یہوی سے تھی اس کا نفرت چوٹوں کی طرح دوچار بار رات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کھپ گئی۔ نہ انعام سوچا نہ عاقبت کا رپناظر کی گھر میں لا بھایا۔ بنتا کے دل کو جوا چھپی طرح سے ٹوٹ کر دیکھا تو گھر میں آگے پیچھے ہریالی کی طرف اس کا گلا سارخ نہ تھا اول تو اس نے ہریالی کے جانچنے اور آنکنے ہی میں نسلتی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوب صورت تھی مگر نہ اس درجہ کی کہ بنتا جیسا حسین آدمی اس پر منقوص ہو۔ یہ نیورشنی کی ڈگریاں اگر خوب صورتوں کو ملتی ہوتیں تو ہریالی ہماری بس ایف اے کے قابل تھی مگر بنتا تو اس کو نکاح سے پہلے ایم۔ اے کے درجے سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ ہوئی کہ ہریالی کو ویسا بنا و سنگار نہ تو اب میسر تھا اور نہ اس کا موقع تھا اور سب سے بڑا سبب تو ہمارے سمجھنے کو یہ تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمت کیوں نہ ہو۔ اس کی قدر طلب تک رہتی ہے۔ حاصل ہوئی اور اس کی منزلت سمجھنی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا کہ یہ نعمت کچھ نعمت بھی بے یا نہیں اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت سے میاں کو اپنا کرنا چاہیے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو یہ اپنی صورت کو آئینہ لئے نیٹھی چاٹا ہی کرے اور اندر بابر غیرت بیگم ہی غیرت بیگم رب مگر و دچال بری چلی۔ اس نے چاہا نہ توڑوں سے دباؤ بھائیوں کی حمایت سے بنتا کے دل میں جگہ کر لی۔ نہ خوب صورتی کے بر ت پر بلکہ سایقہ اور رضا جوئی کے بل پر غیرت بیگم کے جنگل کے بنتا کو چین تو لینے دیتے ہی نہ تھے۔ وہ ہریالی کی خوشی کیا مانا تا دونوں میں میل جو رہا مگر عاشقِ معشووقی کا سماں نہیں بلکہ جیسا کہ عام طور پر میاں یہویوں میں ہوا کرتا ہے۔

## بنتا نے تگ ہو کر دونوں گھروں میں رہنا چھپوڑا اور اس کی حالت یوں مانیو مار دی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مر کر رہ گیا

جس شخص کی پینیشہ کی آمد نی جا کر ستائیں کی رہ جائے اور وہ بھی غیر متبرراتی کے دل سے پوچھنا چاہیے کہ اس پر کیا گزرتی ہوگی۔ تو اثر مصالب اور بحوم انکار نے بنتا کو اس قدر تنگ مزان کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اس کو بھل نہیں لگتی تھی۔ اس کو ہر یا لی سے اڑائی کا ایک بہانہ مل گیا اور اس نے دونوں گھروں کا جانا کلینا موقوف کر دیا۔ سارے دن رات اٹوانی کھنوائی لیے اکیا امر دانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس کسی کے آنے کا روا دار ہوتا۔ اگر اتفاق سے کوئی آنکھا تو اس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا۔ اس رنج نے اس کو رہا سہا اور بھی اچھوڑ کر دیا کہ دو دشمن اس کے اور تیار ہوئے۔ ناظر سے بڑھ کر مخصوص اور غیرت نیکم سے زیادہ بتول۔ بنتا اپنی طرف سے بہتیرا دونوں کو پہنچتا تھا مگر یہ دونوں اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ ہمارا باپ ہے۔ جب سے ہوش سنجانا کو سنابر اپنے پس دونوں کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راح بوگئی تھی کہ ابایا با ایا باپ کہنا کیسا دونوں خاص طرح نام لیتے تھے۔ مخصوص گالی کے اور بتول کوئے کے ساتھ بنتا نے جب دونوں گھروں سے ماؤں ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اس نے یہ خاصی تدیری سوچی تھی، اگر ہو سکے تو مخصوص اور بتول دونوں کو درنے کیلئے مخصوص کو خالی بیٹھا ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہاؤں مگر مخصوص پٹھکے پر ہاتھ دھرنے ہی نہیں دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہر یا لی کے ساتھ، آچکی تھی۔ اب تھوڑے ہی دن میں خاک اڑ نے لگی جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم کے اٹم لگے پڑے تھے اب اس میں کیا رہ گیا۔ بانوں کے چند جھلکنے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی بے تو دوسرا میں ادویں نہیں، کسی کی پٹی چکی ہوئی بے تو کسی کے سیروے میں جان نہیں شاید چھوٹی بڑی ملا کر چار پا پانچ پوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک و فادا رسود بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دیں نہ دیں، یہاں سو بے چارے کے کپکے کھانیں، دن کو مزدوری کرتا اور رات کو کھانا تک نہیں آ کر پڑ رہتا دنیا کا کوئی کام یادیں کارروز دنماز ہو تو صبح و شام کا تفرغہ اور دن رات کا تیاز ہو بنتا کو سب وقت یکساں تھے۔ اس کو سونے جا گئے کھانے پینے کسی بات کا کوئی وقت ہی مقرر نہ تھا۔ جب دیکھومنہ اوندھا کیسے چار پائی پر پڑا بے۔ معلوم نہیں سوتا یا جا گتا بے۔ اپنی تباہی کا خیال بے کر کسی وقت دل سے نہیں جاتا۔ جا گتا بے تو اس کی سوچ بے اور سوتا بے تو اسی کا خواب

دیکھ رہا بے۔ وہ کبھی اپنے پچھلے وقت کو یاد کرتا اور اس کے چہرے پر ایک طرح کی بیٹاشت آ جاتی، تھوڑی دیر بعد خود بخود یک چونک کرا دھرا دھرد کیھنے لگتا اور پھر اس کے منہ پر مرد نی سی چھا جاتی، غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے تو اس کو مطاقت نہ امیدی تھی۔ وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہوتا ممکن نہیں۔ وہ گیا قطع تعلق اس کے لیے چاہیے بہت جرأت اور یہیں با تین اگر بتا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ قاعدہ بے کہ جس پر پڑتی ہے۔ اسی کی طبیعت خوب لڑتی ہے۔ رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا۔ جو بتا نے نہیں سوچا مگر جو دھر جاتا تھا را دنجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف و ناتوان ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا یہاں شاید چھینکنے سے اس کو نہ آتا اور لکھائی کے ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہو کر اس قدر رخت دلی اور اس بالا کا غصہ کہ بتا لگھلتے لگھلتے چار پائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر نہیں لی۔ ہر یاں تھی تو روز ای پر خیر کھاؤ طاہر داری جو چاہو جسم بیسوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منٹ خوشامد کی مگر بتا تو اپنی زندگی سے با تھدھوئے بیٹھا تھا ذرا نہ پیتا۔ بتا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جان بر نہیں ہو سکتا۔ اختناق قلب تو اس کو مہینوں سے تھا۔ اب کسی وقت میں ایک طرح ہمکا ہمکا درد بھی اٹھنے لگا۔ تدیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن ادھر آ فتاب ڈوبتا تھا۔ ادھر یہ بے کس و بے نصیب دل کے درد سے کھری چار پائی نہ تکیہ نہ پکھو نہ تڑپ کر سر دہو گیا۔

### خاتمه

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سنتیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ اپنایا بیگانہ مرنا تو بھی کا قابل فسوس بنے گرنہیں تو بتا کا اس کا جینا قابل فسوس تھا اور مرنا قابل خوشی۔ کیونکہ مر کرو دنیا کی مصیبتوں سے تو چھوٹ گیا۔ مصیبتوں تو اس کے دم کے ساتھ تھیں۔ نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ کہ دنیا وی ایذا نہیں اس کے گناہوں کا گارہ ہوں اور بے چارہ مصیبت کا ما راحسن صورت کا بہت فریفہ تھا۔ خدا اس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت نیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں نہ رہیں۔ عبرت کا مقام ہے۔ ایک چھوڑ دو دیباں موجود بیٹا موجود بیٹی موجود بیٹیوں کے نوکر پا کر مودود اور مرتے وقت منہ میں پانی پکانے کو بتا کے پاس کوئی نہیں۔ کہیں پھر رات گئے وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اس نے پکارا تو میاں کو مرنا ہوا پایا۔ چیز اٹھا سارے مجھے کوخبر ہوئی اور مجھے واوں کے ساتھ محل کے اوگوں نے ہریالی کو دیکھا تو وہ اور اس کی ما اور اسہاب سب ندارد۔ گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے۔ نہیں معلوم ایسا کون کالا چور اس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اس کا پتہ نہ لگا۔ غیرت نیگم یا تو اس قدر میاں سے اکثری رہتی تھی یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پہنچ کہ بس خود میاں بیوی کی عاشق زار ہو گی وہ بھی اس سے زیادہ کیا روانے پیٹے گی۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میاں اس کا خلتمہ بننے کے لیے سدا کو بیٹھا رہنے والا نہ تھا۔ وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روتی تھی جتنا اپنے خلموں پر جن کی تاتفاقی اب کچھ اس کے اختیار میں نہ تھی۔ روتنے روتنے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے۔ اور پنجمی جیسا ذیل ایسا سوکھا تھا کہ جیسے کائنات۔ بتا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت نیگم اسی رنج میں تمام ہوئی۔ مرتے مرتے وصیت کی کہ مجھ کو بتوں کے باپ کی پانچھی دن کرتا تاکہ اگر جیتے جی میں ان کے پاؤں نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں ان کے پاؤں ہوں اور میر اسر۔

## مرثیہ

دنیا عجیب مرحلہ بے ثبات بے  
 ہر ایک ذی حیات کو آخر محنت بے  
 دن بے تو دن کے بعد بلاشبہ رات بے  
 جس کو فنا نہیں بے وہی ایک ذات بے  
 پیشی بے موت تک لگائے کمیں میں  
 لے جائی گی آخر یہ سمجھنے کے زمین میں  
 ابیا مکان بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو  
 پہیدا ہوا بے کوئی بشر جو مرا نہ ہو  
 بے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو  
 حادت نہ ہو تو مدخل چوں و تپا نہ ہو  
 فانی ہر چیز بے فانی جہاں بے  
 مقصود اس فنا سے مگر امتحان بے  
 اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور  
 خدمت میں لوڈیوں کی جگہ دست بستہ حور  
 ہر طور کا عیش تو ہر طرح کا سرور  
 یعنی خلاصہ یہ بے کہ راضی ہوئے حضور  
 خوشنودی خدا ہی عبادت کا دام بے  
 جنت بھی اک رضائی الہی کا نام بے  
 اور ہیں عمل برے تو ہوئی عاقبت خراب  
 ایذا نہیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب  
 اور سب سے بڑھ کر خالق کو نین کا حساب

گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے خواب  
حق کو جو نالپند ہو تف ایسے کام پر  
مالک ہی خوش نہیں بے تو اعنت غلام پر  
تو فیض کار نیک ہمیں اے کریم دے  
دل میں صلاح دے ہمیں طعن سلیم دے  
شوق سلوک جادہ مستقیم دے  
ایمان درمیانہ امید و ہیم دے  
ہم کو نہیں بے بحث عذاب و ثواب سے  
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے  
اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسہاب کا جاپ  
دنیا دکھانی دینے لگے نقش سطح آب  
ذرے میں رونما ہو حقیقت کا اختیاب  
لاریب! نیہ ہو خیر ذالک الکتاب  
کھل جائے اصل راز حیات و ممات کا  
ہو ایک حال ماضی و مقابلات کا  
دل اوٹ حب دولت دنیا سے پاک ہو  
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو  
لاچ ہو فائدے کا نہ نصان باک ہو  
دین سے شفقت ہے ہو دین میں ہی انہاک ہے ہو  
فرق نیاز فرش زمین پر پڑا ہو  
بہت کا پاؤں عرش بریں پر گڑا ہو  
ہر دم خیال موت کا پیش نظر رب  
جب تک جئے جئے جب اجل آئی مر رب

رو رو ہیشہ چاہیے باندھ کمر رب  
 دنیا وطن نہیں بے کہ آئے پر رب  
 آئے ہیں ہم جہاں میں تو جانا ضرور بے  
 سارا ہی تفاصیل سر راد مرور بے  
 پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں  
 یہ وہ خطر بے جس سے کسی کو مفر نہیں  
 پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں پر اس کا بھی ڈر نہیں  
 عقل معاد سے ہمیں بہر مگر نہیں  
 رب العباد نعمت فکر معاد دے  
 فکر معاد دے ہمیں ذکر معاد دے  
 کیا جانب خدا سے ہدایت ہمیں نہیں  
 یا سونپنے کو عقل و داریت ہمیں نہیں  
 فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں  
 پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں  
 ہم دیکھتے نہیں کبھی غائز نگاہ سے  
 سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے  
 غفلت کرا رہی بے یہ ساری شرارتیں  
 بنوا رہی بے رہنے کو کپی عمارتیں  
 اللہ رے دلیریاں بل بے جمارتیں  
 دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں  
 غفلت کا کر عانات کر اصل مرض بے یہ  
 تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض بے یہ  
 غفلت نہ ہو تو کینہ و بعض و حسد نہ ہو

جمگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رو و کد نہ ہو  
بجانی کی پیٹھے پیچھے کبھی ذکر بد نہ ہو  
انسان مشارک صفت دام دود نہ ہو  
غفلت سے اس جہاں میں سارا فساد بے  
غفلت کو آؤ مار مٹائیں جہاد بے  
خلوق ذی شعور بے تو ہوشیار رو  
مت مسمد زندگی مستعار رو  
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رو  
امیدوار رحمت پروردگار رو  
کس نے کہا تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ  
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ چوڑ بیٹھ  
کیا حال تھا رسول نعیم السلام کا  
اصحاب کا انہر عالی مقام کا  
سرکردہ ہائے امت خیر الامام کا  
سلکہ بٹھائے گئے جو محمد کے نام کا  
ان میں سے ایک بھی کبھی ہی راہب ہوا کوئی  
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی  
دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذیل  
اگر سو گھروں میں دیکھو گے تو ننانوے رذیل  
روٹی کی بازار مشقت ہوئی سبیل  
کپڑے کے واسطے ہی ستا رب کفیل  
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے  
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھڑ گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں و بال  
افلاس سے مقدمہ قبر ذی الجلال  
افلاس کر رہی دیتا ہے انسان کو پامال  
ڈرپک پست بہت ست رو فی خیال  
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست  
مشکل کہ اس کے باتھ سے ہو کار دیں درست  
اور شاد اگر ہوا کوئی ممتاز دل غنی  
سمجا کہ یہ جہاں ہے جہاں گزشنا  
کے دن کی زندگی کے لیے اتنی سرزنشی  
اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی  
ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہے  
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے  
سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہے بست سے  
تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے  
کیا خیر ہو سکے گی بھلا ننگ درست سے  
کوڑی تو لے ادھار کوئی فاقہ مست سے  
کیا اس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس  
دنیا میں چیل سے بھی ملا ہے کسی کو ماس  
گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہمیشیں  
ایصال نفع ہے مرے نزدیک اصل دین  
پر چاہیے ہے اس کے لیے نقد آستین  
خرمیں بیار خوبجہ کہ بسیار خوش چین  
دین کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے

دنیا نہیں تو دعویٰ دیں کرو زور بے  
اس واسطے جو عشر خیر القرон ھے تھے  
اور کلم عمارت دیں کے ستون تھے  
امت کو کالم جم ۲ بھی رہ نہیں تھے  
اور مرجع ضمیر حکم احمد وان تھے  
دنیا میں رہ کے دین کا برتنا سکھا گئے  
دونوں کے بھج کرنے کا رستہ دکھا گئے  
راوی نے یوں لکھا بے جناب عمر کا حال  
جن روزوں آپ امیر تھے یا بہت و جمال  
اپنے ہی دست خاص سے پا تھا کئے سنمال  
تاریخ میں دکھائی ایسی کوئی مثال  
شاغر د تھے نبی کے پیغمبر کے تھے جلیس  
دنیا کو جانتے تھے پریشہ نہیں  
یہر ان کا تھا فرش عبادت کے واسطے  
کی سلطنت فلاح رعیت کے واسطے  
عزت طلب کرتے تھے دین کی عزت کے واسطے  
القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے  
ان کو کسی طرح طعن سیم و زر نہ تھی  
ہرگز نہیں مغاد پر اپنے نظر نہ تھی  
فیضان صحبت نبوی سے تھے مستفید  
دکھا انہوں نے نور رسالت کو پشم دید  
پیدا ہوئے سعید بنے اور مرے سعید  
تھی ان سے خواستگاری دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الی بے مہربان  
چڑھتا بے بام پر کوئی بے وضع نزدیک  
زاہد تھے اور ملک ستانی کا انتظام  
دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام  
دنیا میں ان کی دین کا تھا لمح فی الطعام  
دونوں کا پاس کرتے تھے قسہ ہوا تمام  
بدلا اتنی سبب سے زمانے کا طور بے  
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور بے  
دنیا سے ان کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز  
اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی دست خیر  
کھا جاتے اوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز  
تب دیکھتے زمانے کی کچ دار اور مریز کے  
پھر کون پوچھتا تھا خداۓ یگانہ کو  
پاتا نہ کوئی زندگی جاودا نہ کو  
اب بھی جو دیکھتے ہو ان ہی کا ظفیل بے  
کم بیش سب کو جانب توحید میل بے  
اعمال و شرک چوں خس و خاشاک و سیل ۵ بے  
انتا بھی گر نہ تجھے تو انسان بیل بے  
شرک کی کوئی ش نہیں کرتا خدا قبول  
اس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول  
القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار  
واعظ ادیب ناص مشفق صلاح کار  
مُؤنس رفیق موجب تسلیم غم گسار

ہم درد بے ریا و ہوا خواہ جان ثار  
وہ سکھنپتا تھا بارا امیر و فقیر کا  
دنیا میں اس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا  
اب ہم نے اپنے دین کو بنایا چھوئی موئی  
دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دونی  
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی  
شہیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی  
دین کے عوض تعصّب و اوپال رو گئے  
ریس دار اصل مر گئے بدنام رو گئے  
دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اس کے خوشت گار  
اور کیوں کر ہوتے مولوی جنت کا چوبدار  
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پر آشکار  
ملس امیر موئی و دوست از طلب بدبار  
دنیا و دین کے ربط کی رتی کو کاث کے  
وہی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھٹ کے  
اوبار کا تہیں تو سب سے بڑا سبب  
دنیا میں اور دین میں عداوت ارے غضب  
دنیا بغیر سکت مصیبت بے روز و شب  
ازم بے دین کا بھی کماقند ادب  
خستہ ہوئے خراب ہوئے بائے مٹ گئے  
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے  
دل بجھ گیا بے دیکھ کے دنیا کا انقلاب  
افسوس کیا خراب ہوئی قوم انتخاب

دین کے خدا پرست وہ دنیا کے فتح یاب  
آپس میں رحم و لطف عدو کے لیے عذاب  
مسجد میں سر بہ بجھہ پڑے ہیں زمین پر  
میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں گھوڑوں کی زین پر  
لوگوں کو گر مناسب دینا گناہ ہوں  
داخل محرات میں اعزاز و جاہ ہوں  
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں  
ان کا تو دیں بیس تھا کہ ہم باادشاہ ہوں  
اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے  
پیشائیوں پر ان کے تھے گھٹے نماز کے  
معمور ہیں خزانے انعام کرو گار  
بے انتبا و بے خد و بے حضر و بے شمار  
وہ چھینتا نہیں بے کبھی دے کے ایک بار  
شایاں اسے نہیں بے کہ بندوں کو دے ادھار  
دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی!  
اس واسطے کہ قوم کی بہت بدل گئی  
افسوس قوم میں عصیت نہیں رہی  
ہم میں کسی طرح کی مزیدت نہیں رہی  
مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی  
جرات کہاں سے ہو حمیت نہیں رہی  
ہم میں ہر ایک بشر کے خیالات پست ہیں  
پس لا جم ذیل ہیں اور تگدست ہیں  
اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم

اے قوم یہ تعصیب و وسوس جائے شرم  
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم  
تفصیر فی مقابلۃ الناس جائے شرم  
تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں  
اور اوگ چل رب یہ ترقی کی ریل میں  
کیا خوب کہہ گیا بے کوئی شخص خوش خیال  
لفظ عرب میں سحن رجال دہم رجال  
اب اے عزیزو تم سے ہمارا یہ سوال  
کیوں آگیا بے قوم کی حالت میں اختلال  
اقوام روز گار میں ہیئے ہو کس لیے  
بے قعیتی کی خاک پہ لپٹے ہو کس لیے  
کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں  
اوہا تمہارا مانتے جبصور کیوں نہیں  
منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں  
دل قوم کے شفاقت و مسرور کیوں نہیں  
آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا و بال بے  
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال بے  
جب تک ہماری قوم میں تات و سنگین رہا  
ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا  
کس کس کا نام لیں کہ پنماں اور چنیں رہا  
ہر فرد عافیت سے غنا کے تریں رہا  
ہم مالک خزانہ روئے زمین تھے  
اہل زمانہ طبیعت خوش چین تھے

یسر و فرش حشمت ہزار حیف  
وہ شوکت اور اوازم شوکت ہزار حیف  
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف  
صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف  
گو حور بعد کور ۳۱ العذاب بے  
یا از قبل ۳۲ لیت یعود الشاب بے  
کیا فائدہ جو مذکرہ مامضی ۵۶ کریں  
کیوں یاد رفتگان میں ماتم پا کریں  
بے سود اگرچہ تابه قیامت بکا کریں  
اک امر اختیار سے خارت بے کیا کریں  
فریاد دارد رسد و جوئے شیر کیا  
اب جا چکا بے سانپ تو پیس لکیر کیا  
پھر بھی اک وجہ تسمی بہت بڑی  
قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی  
جن کو فلاح خلق بے منظور ہر گھری  
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی  
ناوا جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر  
پیاسے تڑپ رب یہیں گنار فرات پر  
دروازہ کونسا بے جو ہم پر کھلا نہیں  
نامکن الحصول کوئی مدعای نہیں  
ندھب کا قوم و ملک کا یا تفرقہ نہیں  
آزادی اس قدر بے کہ کچھ انتبا نہیں  
بے جوتے بوئے آپ اگے کا ان کیا

ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا عذان کیا  
اس ضد احتمانہ کو اللہ کم کرو  
جانوں پر اپنی بہر خدمت ستم کرو  
چاہو ہمیں برا کبو یا متم کرو  
پر روئیوں کا فکر تو بے بہر شکم کرو  
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ بے  
پھر بھر تم ہی تم ہو اگر دل پر ٹھان لو  
وہ وقت اب نہیں بے کہ سیف و نسان او  
بے نعم پر مدار اسے خوب جان او  
اتھی تھی ایک بات ہماری بھی مان او  
رکھتی بے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے  
تسویف تا کجا و پس و پیش تاب کے  
جاگو کر شرط باندھ کے مردوں سے سوچکے  
خار قحط راہ تمنا میں بو چکے  
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے  
سن لیما ایک دن کہ مسلمان ہو چکے  
قسمت میں قوم کی بے کاٹی صحیح و شام موت  
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حراموت  
دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے  
ان میں ہمارا حصہ واجب ہو کاش کے  
پودے ہیں جتو کے طلب کے تاش کے  
ہاں بتلا کی وضع کے اس کی قیاش کے  
گر چاہیے تو لاکھ میں نوے ہزار میں

طوطی چمن میں ایک بے کوئے ہزار ہیں  
عربت کی داستان بے احوال بتا  
آنکھوں کے آگے پھرتی بے تباہ بتا  
اللہ رے جمال خدوخال ۸۵ بتا  
اور عنوان عمر سن و سال بتا  
جس وقت وہ شراب جوانی سے چور تھا  
بے شک وہ شبیہ روکش نامان و حور تھا  
لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی  
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی  
وہ زلف جو کبھی دل عاشق کا جاں تھی  
خود دوش بتا پے با تھی و بال تھی  
دیکھا تو آخرش خورش گرم گور تھا  
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا  
وہ بتا جو هاز و نعم میں پلے کبھی  
سانچے میں ساتھ پاؤں تھے جس کے ڈھلنے کبھی  
خبر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی  
تنغ ادا سے کلتے تھے جس کے گلے کبھی  
بس جنتی میں قبر کی سب بل نکل گئے  
رکھتے کے ساتھ معلّہ کے سانچے میں ڈھل گئے  
آفت سے موت خاصیہ بتا کی موت  
تکلیف دور دود خند و رنج و عنا کی موت  
تہر الہی و غضب کبریا کی موت  
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس با کی موت

انجام کار جو تری مرضی ہو کچھ  
پر ایسی موت بار خدایا نہ دیکھیو  
تھی اس پر ابتدا سے مسلط بلائے حسن  
طفیل میں تھا وہ آئینہ رومائے حسن  
مضمر ہر اک دفعہ میں اس کی ادائے حسن  
اک عالم اس کا شفعت و بتائے حسن  
اول سے شوق حسن جو خاطر شان ہوا  
خواباں روئے خوب ہوا جب جواب ہوا  
شامت جو اس کی آئی کیا دوسرا نکاح  
سمجا کے چار شرع پنیر میں ہیں مباح  
آئی مگر نظر نہ کبھی صورت فناح  
کیا ہی بری وہ رائے تھی اور کیسی بدصلاح  
فرصت نہ دی پھر اس کو نزاں و جدال نے  
سب کچھ حرام کر دیا اس اک حال نے  
امن و فروغ و عاقبت و راحت و قرار  
نام و نمود عزت تو قیر و اعتبار  
حسن معاشرت کے تمدن کا بے مدار  
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار  
سب چیز جا کے فقرہ ہوا مگر میں جاگزیں  
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں  
جب بتلا پر آئی گیا وقت احتصار  
منہ میں چوانے پانی لگی چشم اشکبار  
لیں پڑھ رہی تھی کھڑی یا نغمگار

اور دونوں آنکھیں نے دیں ڈھانک ایک بار  
یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے  
جنت میں اس کو بار الہا مکان دے  
جو لوگ ہیں سعات عظیمی سے بہرہ مند  
کرتے ہیں بات بات سے وہ کتاب اکتساب چند  
پرواز کے خیال کو رکھو ذرا بلند  
مت ہو لذائذ نفسانی کے پائے بند  
وہ یہیاں نہ کچھ زنببار بھر کر  
میری سنو اگر نہیں شع قبول کر